شمارہ نمبر ۲۴ | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | مئی ۲۰۲۴ء

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ۚ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝

مجلہ پشاور

راہِ ہدایت

مدیر اعلیٰ
حضرت مولانا خیر الامین قاسمی صاحب حفظہ اللہ

نائب مدیر
طاہر گل دیوبندی عفی عنہ



نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

(واٹس ایپ رابطہ نمبر:03428970409)

عقیدہ ختم نبوت زندہ باد　　　یا اللہ مدد　　　عقیدہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد

بفیضان

حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

سلطان المحققین حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ

مجلہ　　　پشاور

راہِ ہدایت

بیاد

امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

قائد اہلسنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ

ترجمان علماء دیوبند حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ

مناظر اسلام حضرت مولانا حبیب اللہ ڈیروی رحمۃ اللہ علیہ

مناظر اسلام حضرت مولانا محمد اسماعیل محمدی رحمۃ اللہ علیہ

زیرسرپرستی

متکلم اسلام حضرت مولانا سجاد الحجابی دامت برکاتہم

مناظر اسلام حضرت مولانا محمود عالم صفدر اوکاڑوی مدظلہ

حضرت مولانا مفتی محمد ندیم محمودی الحنفی صاحب حفظہ اللہ

محقق اہل سنت حضرت مولانا مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ

مناظر اسلام مولانا مفتی نجیب اللہ عمر صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی محمد وقاص رفیع حفظہ اللہ

حضرت مولانا مفتی محمد طلحہ صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا محمد محسن طارق الماتریدی حفظہ اللہ

حضرت مولانا عبد الرحمٰن عابد صاحب حفظہ اللہ

حضرت مولانا ثناء اللہ صفدر صاحب حفظہ اللہ

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا خیر الامین قاسمی حفظہ اللہ

نائب مدیر

طاہر گل دیوبندی عفی عنہ

فہرست مضامین مجلّہ راہِ ہدایت (شمارہ نمبر:۲۴)

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، مدیر اعلیٰ مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور

اہلِ سنت سے بچھڑا فرقہ

[یہ تحریر جناب طاہر گل صاحب حفظہ اللہ کے رسالہ ''تقابل عقائد و نظریات اہل السنہ و الجماعۃ اور فرقہ مماتیت'' پہ بطور تقریظ لکھی گئی ہے۔اسے افادۂ عام کے لئے قارئین مجلہ راہ ہدایت کی خدمت میں پیش کیا جارہاہے۔(رب نواز عفااللہ عنہ)]

بہت عرصہ پہلے کی بات ہے کہ جامعہ خیر المدارس ملتان میں شیخ عنایت اللہ بخاری تقریر کر رہے تھے۔ دَوران تقریر انہوں نے مسئلہ حیات کے حوالہ سے اہلِ سنت والجماعت کے موقف کے برخلاف اپنا شاذ قول پیش کیا۔ مگر اللہ کا شکر کہ اس شاذ رائے کی بروقت تردید کر دی گئی تھی سب حاضرین نے جان لیا کہ بخاری صاحب اہل سنت والجماعت سے الگ راستہ اختیار کرنے لگے ہیں۔

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد نے اس واقعہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھا:

''اس افسوس ناک خلفشار کی ابتداء ایک تقریر سے ہوئی جو ایک جید دیوبندی عالم، صاحب علم و عرفان مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری دام مجدہ نے حنفیہ کرام ملتان کے ایک جلسہ میں فرمائی جس پر ان کے رفقائے مذہب نے نہ صرف کہ اس وقت ہنگامہ برپا کر دیا بلکہ بعد میں فتویٰ بازی اور مضامین سازی کی مہم چلا دی حتیٰ کہ خود مدرسہ دیوبند اور اس کے رسالہ ''دار العلوم'' نے اس میں کافی دلچسپی لی۔''

(تقریب حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم صفحہ ۷، المکتبۃ السلفیہ لاہور)

سلفی صاحب نے یہ تحریر اگرچہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی طرف داری میں لکھی مگر اس سے درج ذیل باتیں واضح ہوتی ہیں۔

(۱) مسئلہ حیات کے انکار کی ابتداء سید عنایت اللہ شاہ بخاری کی تقریر سے ہوئی۔ جس کا واضح مطلب ہے کہ اس سے پہلے پچھلی صدیوں میں حیات کا مسئلہ اتفاقی شمار ہوتا رہا۔

(۲) بخاری صاحب نے علمائے دیوبند سے الگ ہو کر شاذ راستہ اختیار کیا۔

(۳) جب انہوں نے شاذ رائے کا اظہار کیا تو اسی ہی جلسہ میں ان کا رد کیا گیا۔

(۴) مدرسہ دار العلوم دیوبند نے سید بخاری کے خلاف بیان دیا یعنی انہیں الگ پگڈنڈی اختیار کرنے سے منع کیا۔

حاصل یہ کہ سید عنایت اللہ شاہ بخاری نے اہلِ سنت والجماعت سے الگ راہ اختیار کی، پھر یہ سلسلہ آگے بڑھا تو دار العلوم دیوبند سے حضرت مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ تشریف لائے فریقین کے چیدہ چیدہ علماء سے درج ذیل تحریر پر دستخط کرنے کو کہا:

> ”وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسِ اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ وسلام سنتے ہیں۔“

بعد میں یہ تحریر ماہ نامہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شائع ہوئی۔ اسی ماہ نامہ سے مختلف کتب میں منقول ہوئی اور اَب تو اس کی پی ڈی ایف بھی واٹس گروپس میں مل جاتی ہے۔

علمائے دیوبند سے بچھڑنے والا فرقہ مزید دُور ہوتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس نے کئی نظریات الگ قائم کر لئے۔ مگر اس کے ساتھ اپنے آپ کو دیوبندی کہتا رہا بلکہ خود کو اصلی دیوبندی کا نام دے کر دوسروں کو نقلی دیوبندی کا طعنہ دیا اور انہیں اکابر کا باغی بھی قرار دیا۔ وہی مثال ”چوری اور سینہ زوری“ قائم کر دی کہ ایک تو یہ لوگ علمائے دیوبند سے بچھڑ گئے اور مزید سینہ زوری یہ کہ خود کو اصلی دیوبندی اور دوسروں کو نقلی دیوبندی باور کرانے لگے۔

اَب چوں کہ مماتی عموماً اپنی نسبت علمائے دیوبند سے جوڑتے ہیں، خود کو دیوبندی بھی ظاہر کرتے ہیں اس لئے کئی سادہ لوگ وہم کا شکار ہو سکتے تھے کہ مماتی ٹولہ بھی سنی اور دیوبندی ہے، جب کہ حقیقتاً ایسا نہیں۔ اس لئے ضرورت تھی کہ مماتیوں کے متعلق عوام کو بتایا جائے کہ یہ سنی اور دیوبندی نہیں ہیں بلکہ اُن کے الگ تھلگ نظریات ہیں۔

(۱) جناب طاہر گل دیوبندی حفظہ اللہ نے یہی بات سمجھانے کے لیے مستقل رسالہ ”تقابل عقائد و نظریات اہل السنۃ والجماعۃ اور فرقہ مماتیت“ لکھا جس میں مماتیوں کے دس بارہ ایسے نظریات نقل کیے جو علمائے دیوبند کے خلاف ہیں اور عام اہلِ سنت کے بھی۔

(۲) طاہر بھائی نے اس رسالہ میں ایک تو مماتیت کے چہرہ پہ لگایا گیا اہلِ سنت اور دیوبندیت کا لیبل اتار دیا۔ دوسرا

عام لوگوں کے لئے بھی سہولت فراہم کر دی کہ وہ اس رسالہ کے ذریعہ جان سکتے ہیں کہ مماتیوں کے نظریات کیا ہیں؟ عام لوگ تو عام ہیں کئی فضلاء کو بھی مماتیوں کے اصلی نظریات معلوم نہیں تو یہ رسالہ ان فضلاء کے لیے بھی مفید رہے گا ان شاء اللہ۔

(۳) کئی لوگ خود کو چھپانے کی کوشش کیا کرتے ہیں۔ اس رسالہ میں درج نظریات کو آپ ذہن نشین فرمالیں۔ اپنی اصلیت چھپانے والوں سے ان مخصوص نظریات کی بابت سوال کرلیں۔ وہ اگر بات گول کئے بغیر صریح جواب دیں گے تو شناخت ہو سکے گی کہ مماتی ہیں یا نہیں؟

(۴) طاہر بھائی نے مماتیوں کا ایک نظریہ نقل کیا کہ یہ لوگ قبر کی زندگی کے حوالہ سے جسم عنصری کو راحت و عذاب کا مورد نہیں مانتے۔ مماتیوں کا یہ نظریہ منقول کے خلاف ہونے کے ساتھ عقلاً بھی نادرست ہے کہ دنیا میں گناہ تو کرے جسم عنصری اور عذاب ہو کسی دوسرے جسم یعنی جسم مثالی کو؟ یہاں بعض دنیا والے تو بے انصافی کیا کرتے ہیں کہ مجرم کوئی اور ہوتا ہے اور سزا کسی اور کو دی جارہی ہوتی ہے مگر اللہ کی عدالت میں تو انصاف ہی انصاف ہے، لہذا جس جسم عنصری نے جرم کئے تو عذاب بھی اسی کو ملے گا۔ اسی طرح جس جسم عنصری نے یہاں دنیا میں دین کی خاطر تکلیف اُٹھائی ہے تو قبر کی راحت بھی اس جسم کا حق ہے۔

(۵) مماتی لوگ قبر کی زندگی کی نفی کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ دو زندگیاں ہیں اور دو موتیں۔ لہذا تیسری زندگی رقبر کی زندگی ثابت نہیں۔ مماتی لوگ جسم مثالی میں راحت و عذاب کے قائل ہیں اور مماتی اتنا تو مانتے ہیں کہ جنت میں دنیا والا جسم ہوگا اس میں روح لوٹائی جائے گی۔ تو ان کے اس عقیدے کے مطابق قیامت کے دن یقینا جسم مثالی سے روح نکال کر جسد عنصری میں داخل کی جائے گی تو کیا جسم مثالی میں روح کا ڈالا جانا اور پھر نکالا جانا یہ تیسری زندگی اور تیسری موت نہیں؟

(۶) صاحبِ رسالہ نے مماتیوں کا نظریہ نقل کیا کہ یہ لوگ سماع موتی یعنی مُردوں کے سننے والے نظریہ کو شرکیہ کہتے ہیں۔ یہ نظریہ بھی مماتیوں کی طرف سے حد درجہ مبالغہ ہے اس لیے کہ علماء کا یہ اختلاف تو ہے کہ عام مُردے سنتے ہیں یا نہیں؟ مگر سننے والے نظریہ کو شرک کہنا مماتیوں کا ہی تفرد ہے۔ ان کے ہاں چوں کہ سماع موتی کا نظریہ شرکیہ ہے اس لیے اُن سے جب بھی بحث ہو تو سماع اور عدم سماع کی بجائے موضوع بحث یہ بنایا جائے کہ سماع کا عقیدہ شرکیہ ہے یا نہیں؟ مماتی اس کے شرک ہونے پہ دلائل دیں اور قائلینِ سماع اس کی تردید کریں۔

(۷)اسی طرح چوں کہ مماتی لوگ خود کو دیوبندی بلکہ اصلی و حقیقی دیوبندی کہا کرتے ہیں تو اس میدان میں کام کرنے والوں کو چاہیے کہ وہ مناظرہ کے لیے مماتیوں کو اس عنوان پہ تیار کریں کہ علمائے دیوبند کا نظریہ حیات کا ہے یا ممات کا؟ عوام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ علمائے دیوبند حیاتِ قبر کے قائل ہیں۔ تفصیل اور حوالہ جات کے لیے حضرت مولانا محمد سر فراز خان صفدر رحمہ اللہ کی کتاب "تسکین الصدور" اور حضرت مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کی کتاب "عقیدہ علمائے اسلام" کا مطالعہ کریں۔

(۸)جس طرح پچھلے اَدوار میں مفاد کی خاطر بعضے معتزلہ خود کو اہلِ سنت کہلواتے رہے،اسی طرح اس زمانہ میں مماتی خود کو دیوبندی کہتے ہیں۔ مماتیوں سے اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جب یہ لوگ دیوبندی نظریات سے ہٹے ہوئے ہیں تو خود کو دیوبندی کیوں کہتے ہیں؟

(۹)سلف سے اعتماد ختم کرنے کی تحریک اُٹھی تو اس میں کئی فرقوں نے حصہ لیا۔ کسی نے قرآن کا نام لے کر محدثین سے اعتماد اُٹھایا، کسی نے حدیث کا نام استعمال کر کے فقہاء سے بد ظنی کی فضاء قائم کی اور مماتیوں نے توحید و سنت کا لیبل لگا کر اہلِ سنت سے قوم کو برگشتہ کیا۔ صدیوں پر مشتمل اہل سنت کے فقہاء، ائمہ، محدثین اور عام عوام حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نظریہ رکھتے ہیں مگر مماتیوں نے ان سب سے الگ راستہ چن کر عملاً تاثر دیا کہ ہم ہی کتاب و سنت والے ہیں، نہ کہ عقیدہ حیات کے قائلین اہلِ سنت۔

(۱۰)طاہر بھائی نے مماتیوں کی طرف جن جن نظریات کو منسوب کیا انہیں ان کی کتابوں سے باحوالہ نقل کیا۔

(۱۱)تالیف کی خوبیوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ جو بات کسی اور مصنف کی کتاب سے لی ہو تو اس کا حوالہ دینا چاہیے۔ طاہر بھائی نے کچھ باتیں مولانا عبد الجبار سلفی صاحب سے لیں تو وہاں ان کی کتاب کا حوالہ دے کر اس کا اظہار کر دیا۔

(۱۲)رسالہ کا اَصل موضوع تو اہلِ سنت اور مماتیوں کا تقابل ہے لیکن کہیں کہیں اہلِ سنت کی تائید اور مماتیوں کی تردید میں دلائل بھی تحریر کیے ہیں۔

(۱۳)کم فرصت لوگ بڑی کتابوں کے مطالعہ کے لئے وقت نہیں نکال پاتے، چوں کہ یہ رسالہ مختصر ہے اس لئے کم فرصت احباب بھی اس کا مطالعہ کر سکیں گے ان شاء اللہ۔

(۱۴)رسالہ مختصر ہونے کے ساتھ مفید بھی ہے یعنی یہ رسالہ "مختصر پُر اَثر" کا مصداق ہے۔

(۱۵) بندہ نے رسالہ کے چیدہ چیدہ مقامات کو دیکھا تو دل سے مؤلف کے لئے دعا نکلی۔ ماشاء اللہ انہوں نے وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لئے اپنے مطالعہ کو کاغذ کے سفینے پہ اتارا۔ اللہ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے، آمین۔

رب نواز عفا اللہ عنہ

۱۵/ شوال...۱۴۴۵ھ

حافظ عبد الجبار سلفی صاحب حفظہ اللہ

مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندویؒ اور فتنہ خمینیت

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ارباب حل وعقد نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی ایک تصنیف **"مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش"** کو درس نظامی کے شعبہ میں داخل نصاب کرنے کا فیصلہ کیا ہے جس کے بعد ملک بھر کے دینی حلقوں میں بحث و تمحیص کا ایک طوفانی سلسلہ جاری ہے۔ایک طبقہ کا موقف یہ ہے کہ متذکرہ کتاب میں 1979ء کے ایرانی انقلاب کے بانی خمینی صاحب کی تعریف کی گئی ہے کیونکہ خمینی صاحب قدیم وقتوں سے آمدہ رفض وبدعت کے خطرناک فتنے کے منادو مبلغ تھے لہذا اس کتاب کو داخل نصاب کرنے سے دینی طلبہ کے دلوں میں خمینی صاحب اور ان کی رافضیانہ کدوکاوش کا احترام یا کم از کم نرمی پیدا ہو گی۔دوسری طرف ارباب وفاق المدارس نے محض نفس عنوان کے تحت ایک جدید ضرورت محسوس کرتے ہوئے حضرت مولانا مرحوم کی عالی قدر شخصیت اور ذی حشم علمی قد کاٹھ کے تناظر میں ان کی اس کتاب کو داخل نصاب کیا ہے۔فریقین کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے ہمارا موقف یہ ہے کہ اس کتاب میں آج سے کم وبیش پچاس برس قبل کی مغربیت اور اسلامائزیشن کے مابین فکری تصادم پہ جو تجزیہ پیش کیا گیا تھا اس میں عالمی لیڈروں کے تعارف میں خمینی صاحب کی تعریف نہیں کی گئی تھی بلکہ ہم یوں کہنے کی جسارت کریں گے کہ بعد میں آنے والے خمینی ازم کے دشمنوں کی شاید ابھی پیدائش بھی نہیں ہوئی تھی کہ جب مولانا ابو الحسن ندوی مرحوم نے اپنی اس زیر بحث کتاب میں خمینی صاحب کے غالی اور کفریہ عقائد کی نشاندہی کر دی تھی۔چنانچہ حضرت مولانا مرحوم خمینی کے متعلق اپنی اس کتاب کے صفحہ 196 اور صفحہ 197 پہ لکھتے ہیں

"اس شبہ کو تقویت ہوتی ہے کہ ملک پر انکا (یعنی خمینی کا) اور نتائج وعواقب پر نظر رکھنے والوں کا پورا کنٹرول نہیں ہے۔اور ملک میں نوعمر اور جذباتی عناصر رکھنے والوں کا تسلط ہے۔اسی طرح امامت اور آئمہ کے بارے میں انکے بعض ایسے بیانات سامنے آئے ہیں جس سے مقام نبوت کی تنقیص اور بلا استثناء انبیاء کے اپنے مقاصد کی تکمیل میں ناکام رہنے کا نتیجہ نکلتا ہے۔۔۔شریعت کے احکام کے نفاذ میں انہوں نے سنی اقلیت کے احساسات کی رعایت نہیں کی جس کی وجہ

سے سنیوں سے ٹکراو کی صورت پیدا ہو گی۔ اسکی وجہ سے اتحاد کی وہ شکل ملک (ایران) میں باقی نہ رہ سکی جو تحریک کے زمانہ میں نظر آتی تھی"

مولانا ابوالحسن علی میاں مرحوم نے خمینی صاحب کی طرف جو بات منسوب کی ہے وہ خمینی کی کتابوں "اتحاد و یکجہتی" "حکومت اسلامی" اور "ولایت فقیہہ" میں موجود ہے۔

"اتحاد و یکجہتی" میں خمینی صاحب کا کہنا ہے کہ

"جو نبی بھی آئے وہ انصاف کے نفاذ کے کے لئے آئے انکا مقصد بھی یہی تھا کہ تمام دنیا میں انصاف کا نفاذ کریں لیکن وہ کامیاب نہ ہوئے یہاں تک کہ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم جو انسان کی اصلاح کے لئے آئے تھے اور انصاف کا نفاذ کرنے کے لئے آئے تھے، انسان کی تربیت کے لئے آئے تھے لیکن وہ اپنے زمانے میں کامیاب نہیں ہوئے"

اسی طرح آنجہانی خمینی صاحب کی دوسری کتاب "حکومت اسلامی" میں ہے کہ

"ہماری ضروریات مذہب میں یہ بات داخل ہے کہ کوئی بھی آئمہ کے مقام معنویت تک نہیں پہنچ سکتا چاہے وہ ملک مقرب ہو یا نبی مرسل، وہ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا"

ہمارے جو احباب صرف خمینی کا نام دیکھ کے اپنے دلوں کا جوش سنبھال نہ پائے اور وہ خدائی فوجدار بن کر یہ تاثر پھیلا رہے ہیں کہ مولانا ندوی مرحوم پہلے خمینی کے متعلق نرم گوشہ رکھتے تھے بعد میں ان پہ خینیت کا فتنہ آشکار ہوا تو یہ انکی کھو کھلی خوش فہمی ہے۔ درحقیقت مولانا ندوی مرحوم نے ان چند سطروں میں جو تشیع کے فلسفہ امامت اور خمینی کے ہیضہ ءامامت کی قلعی کھولی ہے اگر مدارس عربیہ میں اس کتاب کا سبق ایسے اساتذہ کو سونپا جائے جو شیعیت کے فکری خدوخال سے مناسبت رکھتے ہوں اور وہ اس مقام کو خمینی کی کتابوں "کشف اسرار" "حکومت اسلامی" اور "اتحاد و یکجہتی" وغیرہ کے آئینے میں اپنے طلبہ کو آگاہ کریں تو یہ کتاب خینیت کی نفرت پیدا کرنے میں ممد و معاون ہو سکتی ہے البتہ اکابر وفاق کی خدمت میں اس قدر عرض ہے کہ اگرچہ اللہ کریم نے آپ کو شرح صدر کی بے بہا دولت نصیب فرمائی ہے تاہم نیک نیتی پہ مبنی رائے کہیں سے بھی دستیاب ہو جائے تو اس سے غض بصر کر لینا بھی شیوہء اسلاف نہیں رہا۔ ہماری رائے کے مطابق اگر مولانا ابوالحسن ندوی مرحوم کی اس کتاب کو شامل نصاب ہی رکھنا ہے تو پھر پہلے سے موجود مطبوعہ نسخوں پہ اکتفاء کرنے کی بجائے یہ

کتاب مستقل طور پہ وفاق المدارس کی نگرانی میں شائع ہونی چاہئے اور اس کا طریقہ کار یہ ہو کہ جہاں حضرت مولانا مرحوم نے خمینی صاحب کے عقیدہ امامت اور تنقیص انبیاء علیہم السلام کی نشاندہی کی ہے اس کے نیچے حاشیہ میں خمینی کی ان کتابوں کے نام بھی بطور مصدور حوالہ کے آجانے چاہئیں جن میں یہ عقائد مذکور ہیں۔اور ہم نے زیر نظر مضمون میں بھی انکے نام درج کردیئے ہیں۔اسی طرح جہاں جہاں مصر کی تحریک اخوان السلمون کے حسن البناء یا جماعت اسلامی پاکستان کے مولانا مودودی کا تذکرہ ہے اور ان مقامات کے مہمل پہلوؤں سے تازہ دم دینی طلبہ کے تھرکتے مزاجوں کے بھکنے کے خدشات ہوں تو وہاں بھی توضیحی حواشی کا اضافہ کردینے میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ فائدہ ہے۔مولانا ابوالحسن ندوی مرحوم کی رفض شناسی یا دوسرے لفظوں میں سبائیت دشمنی کا عالم تو یہ تھا کہ انہوں نے سیرت سیدنا حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ پہ جو"المرتضی"نامی کتاب رقم فرمائی تھی اسے پڑھ کر برصغیر کی شیعیت کے سینے شق ہوگئے تھے چنانچہ فروغ کاظمی نام کے ایک صاحب نے اسکے جواب میں"الخلفاء"نامی کتاب شائع کرکے اپنے خبث باطن کا اظہار کیا تھا۔اس جوابی کتاب کا نام ہی بتارہاہے کہ رافضیوں کو حضرت علی المرتضی رضی اللہ عنہ سے صرف وہی تعلق اور عقیدت قابل قبول ہے جو خالص تشیع کے غیر اسلامی بلکہ یہودیانہ مزاج کی عکاس ہو۔اسی طرح حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب"ایرانی انقلاب،امام خمینی اور شیعیت"پر حضرت مولانا ابوالحسن ندوی مرحوم سے مقدمہ لکھوایا تھا۔اب اس تناظر میں یہ خیال قائم کرلینا کہ حضرت مولانا مرحوم کو شیعیت سے متعلق ایسے نظریات بعد میں اختیار کرنے کا موقع ملا،بالکل طفلانہ سوچ پہ مبنی ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مولانا مرحوم نہ صرف کتابی دنیا میں رہ کر بلکہ کل عالم اسلام کے گھاٹ گھاٹ کا پانی پی کر بچشم تحقیق حق وباطل کی ان تحریکوں کے مدوجزر دیکھ چکے تھے باقی ہر شخص اپنے علمی مقام ، شخصی عظمت اور جبلی فطرت کے سائے میں ہی اظہار خیال کرتا ہے۔اگر انکا طریقہ تکلم یا انداز تحریر بعض گرم طبائع سے مطابقت نہیں رکھتا تو ان گلاب چہروں کو خزاں رسیدہ پتوں کی طرح زرد نہیں ہونا چاہئے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ رافضیت کے بے دُم کے چوہوں نے نفرتوں کا ایک حشر بپاکرر کھاہے مگر ہمارے احباب کو بھی بلاوجہ مرغی کی طرح خوف کے انڈے نہیں دینے چاہئیں۔بلکہ اس سے کہیں زیادہ ضرورت ان بے علم لوگوں کا تعاقب کرنے کی ہے جو تکفیر رفض جیسے نازک اور غامض موضوع پہ ٹانگ اڑا کے روافض کے علی الاطلاق مسلمان ہونے کے فتوے صادر کررہے ہیں اور اس سے بڑا ظلم یہ

کہ جن اکابر نے اب تک فتنہ رافضیت کا قلع قمع کرنے میں اپنی بہترین زندگیوں کو کھپادیا وہ انکی روشن خدمات کی نفی کرکے انکے مقام کو نئی نسل کے سامنے بے وزن کرنے کی ناپاک کوششوں میں مصروف ہیں۔اس سلسلہ میں راولپنڈی کا ایک ادارہ غفران کم وبیش دو سال سے افتاء کا ناٹک رچا کے اپنے رسالہ "التبلیغ" میں فتوؤں کا یہ کھیل کھیلنے میں مصروف ہے مگر افسوس کہ "ماہ نامہ حق چار یار لاہور" کے سوا اب تک کہیں سے کوئی موثر آواز انکی تردید میں نہیں اٹھی۔لہذا سوشل میڈیا پہ بھی اور پرنٹ میڈیا پہ بھی علمی انداز میں انکے نام نہاد دلائل کا جائزہ لینا بطور خاص ان حضرات کے ذمہ ایک قرض ہے جو تحفظ ناموس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے محاذوں پہ اپنی صلاحیتیں بروئے کار لانے میں منہمک ہیں۔اللہ تعالیٰ سبھی کا حامی وناصر ہو۔والسلام

(15اپریل2024ء)

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (قسط:۴)

مسئلہ تین طلاق پر مدلل ومفصل بحث

چھٹی حدیث

امام ابو داؤد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُونُسَ النِّسَائِيُّ أَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ الزُّبَيْرِ حَدَّثَهُمْ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِدْرِيسَ: حَدَّثَنِي عَمِّي مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ السَّائِبِ عَنْ نَافِعِ بْنِ عُجَيْرٍ عَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيدَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْحَدِيثِ۔“

ترجمہ: محمد بن یونس نسائی اپنی سند سے نافع بن عجیر سے، وہ رکانہ بن عبد یزید سے، وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث بیان کرتے ہیں۔ (شرح ابو داود: ۲/ ۶۸۲ ترجمہ سعیدی)

یہی حدیث سے مراد اس سے پہلے والی حدیث نمبر: ۲۲۰۶ ہے۔ اس کا متن یہ ہے:

”نافع بن عجیر بن عبد یزید بن رکانہ سے مروی ہے کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی سہیمہ کو بتہ طلاق دے دی۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی اور کہا: قسم اللہ کی! میں نے اس سے ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قسم سے! تو نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا؟ رکانہ نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے صرف ایک ہی کا ارادہ کیا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بیوی کو اس پر لوٹا دیا۔ چنانچہ اس نے اس کو دوسری طلاق، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دَور میں دی۔“ (ابو داود، باب فی البتۃ ترجمہ مولانا عمر فاروق سعیدی غیر مقلد)

اس حدیث کی تخریج میں حافظ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”[حسن] انظر الحدیث السابق، واخرجه الدارقطنی: ۴/ ۳۳، والبیهقی: ۷/ ۳۴۲ من حدیث ابی داود به۔“

(تخریج ابو داود، حدیث: ۲۲۰۷)

اعتراض: یہ حدیث ضعیف و مضطرب ہے۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف اور مضطرب کہا ہے۔
علامہ ابن حزم ظاہری نے کہا کہ اس کے غیر معروف راوی ہیں۔
(ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے صفحہ ۶۲،۶۱)

جواب:

اضطراب تب مضر ہوتا ہے جب کسی روایت کو ترجیح نہ دی جاسکے۔ محدثین بلکہ متعدد غیر مقلدین نے بھی اس اختلاف میں بتہ والی حدیث کو ترجیح دی ہے۔ حوالہ جات ملاحظہ ہوں۔

امام ابوداؤد رحمہ اللہ۔ (ابوداؤد ا/۳۰۱)

امام خطابی رحمہ اللہ۔ (معالم السنن للخطابی:۲/۲۸۹)

قاضی عیاض رحمہ اللہ۔ (اکمال لمعلم:۵/۱۱)

امام نووی رحمہ اللہ۔ (شرح مسلم:۱/۴۷۸، المجموع شرح المہذب:۱۷/۱۲۲)

امام ابن الملقن رحمہ اللہ۔ (البدر المنیر:۸/۱۰۵)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ۔ (الاستذکار:۶/۹)

صاحب مستدرک امام حاکم نے طلاق بتہ والی حدیث امام شافعی رحمہ اللہ کی سند سے نقل کی اور کہا:

”قَدْ صَحَّ الْحَدِيْثُ بِهٰذِهِ الرِّوَايَةِ فَإِنَّ الْإِمَامَ الشَّافِعِيَّ قَدْ أَتْقَنَهُ وَحَفِظَهُ عَنْ أَهْلِ بَيْتِهٖ“
(المستدرک علی الصحیحین:۲/۱۹۹)

ترجمہ: طلاق بتہ والی حدیث امام شافعی کی اس سند کے ساتھ صحیح ہے کیوں کہ امام شافعی نے اس حدیث کو رکانہ کے افراد خانہ سے ضبط اور حفظ کیا ہے۔

مذکورہ بالا سب بزرگوں کی عبارات ہماری اسی کتاب کے باب: ۱۲، ”غیر مقلدین کے مزعومہ دلائل کا جائزہ“ میں درج ہیں۔

مولانا عبد الرحمن مبارک غیر مقلد لکھتے ہیں:

”وَذَكَرَ التِّرْمِذِيُّ أَيْضًا عَنِ الْبُخَارِيِّ أَنَّهُ مُضْطَرِبٌ فِيْهِ تَارَةً قِيْلَ فِيْهِ ثَلَاثًا وَّتَارَةً

قِیۡلَ فِیۡهِ وَاحِدَةٌ وَاَصَحُّهٗ اَنَّه طَلَّقَهَا الۡبَتَةَ وَاَنَّ الثَّلَاثَ ذُکِرَتۡ فِیۡهِ عَلَی الۡمَعۡنٰی۔

(تحفۃ الاحوذی:۲/۲۱۰)

ترجمہ: اور ترمذی نے بخاری سے یہ بھی نقل کیا کہ بے شک اس میں اضطراب ہے کہ کبھی "ثلاثا"، کبھی واحدۃ کہا گیا لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے بتہ طلاق دی تھی اور روایت بالمعنی کے طور پر تین کا ذِکر کیا گیا ہے۔

اختلاف کی صورت میں جب حدیث بتہ کو ترجیح ہے تو اضطراب کا دعوی بے حیثیت ہو گیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس اختلاف کو اضطراب کا نام دینے کی نفی کر دی۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

"امام بخاری نے اسے اضطراب سے معلول قرار دیا ہے حالاں کہ اس روایت میں کوئی بھی اضطراب نہیں۔"

(توضیح الاحکام:۱/۵۹۷)

علی زئی صاحب نے یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ صحیح سند والی حدیث کے متن میں اضطراب ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"عرض ہے کہ اگر متن میں اضطراب ہے تو سند صحیح نہیں ہے اور اگر سند صحیح ہے تو متن میں اضطراب کہاں سے آگیا؟"

(علمی مقالات:۲/۳۹۴)

تنبیہ: اختلاف و اضطراب کی بحث بھی علی سبیل التنزل ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ حدیثِ رکانہ ثلاثا والی محدثین اور متعدد غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق ضعیف ہے اور جب کہ حدیثِ رکانہ بتہ والی محدثین اور شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کے ہاں صحیح ہے۔ صحیح اور ضعیف کا اختلاف ہو تو اسے اضطراب نہیں کہہ سکتے تب صحیح کے مقابلہ میں ضعیف قابل رَد ہوتی ہے۔

خواجہ صاحب کا علامہ ابن حزم ظاہری سے نقل کرنا "اس کے رواۃ مجہول ہیں" کچھ مفید نہیں۔ اس لیے کہ علماء جانتے ہیں کہ ابن حزم اس حوالہ سے بہت زیادہ متشدد ہیں۔ اُن کے متعلق یہ جملہ کتابوں میں درج ہے کہ حجاج کی تلوار اور ابن حزم کی زبان دونوں بہنیں ہیں۔ اُن کی شدت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے سنن ترمذی کے

جامع امام ترمذی رحمہ اللہ کو بھی مجہول کہہ دیا ہے، سبحان اللہ۔ اور جب وہ موج میں آئے تو گانے کی حرمت والی حدیثِ بخاری پر بھی ضعف کی چھاپ لگادی۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے، ان شاء اللہ۔

بندہ کا ”اہلِ ظواہر اور غیر مقلدین“ کے حوالہ سے اک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ ہے۔ اس طرح کی باتیں اور دیگر کئی مفید ابحاث غیر مقلدین کے اعترافی حوالوں کے ساتھ اس میں شامل ہوں گی، ان شاء اللہ۔

بہر حال جو مصنف امام ترمذی جیسے معروفِ جہاں اور ثقہ محدث کو مجہول کہنے سے نہیں چوکے، وہ اگر حدیث بتہ کے رُواۃ کو مجہول کہہ دیں تو اچھنبے کی بات نہیں۔ بہتر ہو گا کہ غیر مقلدین کے گھر کا حوالہ ہم پیش کر دیں کہ حدیثِ بتہ کے رواۃ کو مجہول قرار دے کر حدیث کو رَد کر دینا غلط ہے۔

اس حدیث کی تصحیح شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد سے

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حدیث کی صحت پر بحث کرتے ہوئے نہ صرف اسے صحیح قرار دیا بلکہ اعتراضات کا جواب بھی دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”سنن ابی داوٗد کے ہمارے نسخہ میں امام شافعی والی حدیث کا نمبر: ۲۲۰۶ ہے۔ نیز دیکھئے مسند الشافعی ص ۱۵۳، ترتیب سنجر بن عبد اللہ الناصری: ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، الام ۱۷۴/۷) اس کی سند حسن لذاتہٖ ہے، اسے ابوداود، ابن حبان، حاکم اور قرطبی نے صحیح کہا ہے۔ امام بخاری نے اسے اضطراب سے معلول قرار دیا ہے حالاں کہ اس روایت میں کوئی بھی اضطراب نہیں۔ حافظ ابن عبد البر نے بعض مجہول لوگوں سے ”ضعفوہ“ کا عندیہ دیا ہے۔ یہ ضعیف قرار دینے والے لوگ کون ہیں؟ ہمیں معلوم نہیں۔ تفصیل میری کتاب نیل المقصود فی التعلیق علی سنن ابی داود (ج ۲ ص ۵۶۲ قلمی) میں ہے۔ یسر اللہ لنا طبعه۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کے تین راویوں کو مجہول وغیرہ کہہ کر کلام کیا ہے جس کا جواب درج ذیل ہے: (۱) امام شافعی کے چچا محمد بن علی بن شافع ثقہ تھے۔ امام شافعی نے فرمایا: میرے چچا ثقہ ہیں۔ (مسند الشافعی ص ۲۷۶، الام ۱۷۴/۵) ابوداود نے ان کی حدیث کو صحیح کہا۔ (سنن الدارقطنی: ۳۳/۴ ح ۳۹۴۳) حاکم نے کہا: وہ اپنے زمانے میں قریش کے شیخ تھے۔ (المستدرک للحاکم ۲۰۰/۲، ح ۲۸۰۸) اور حاکم نے ان کی روایت کے صحیح ہونے کی طرف اشارہ کیا۔ معلوم ہوا کہ محمد بن علی بن شافع ثقہ وصدوق تھے۔

(۲)عبد اللہ بن علی ابن السائب کے بارے میں امام شافعی نے فرمایا: ثقہ (مسند الشافعی ص ۲۷۶، الام ۵/۱۷۴)حافظ ابن حبان نے انہیں کتاب الثقات (۵/۴۶۹)میں ذکر کیا۔ ابو داود نے ان کی بیان کردہ حدیث کو صحیح کہا جو کہ امام ابو داود کے نزدیک اُن کی توثیق ہے۔ تحریر تقریب التہذیب میں ہے: بل صدوق حسن الحدیث" (۲/۲۴۱ ت ۳۴۸۴) ابن خلفون نے انہیں کتاب الثقات میں ذکر کیا۔ (ایضاً ص ۲۴۱)خلاصہ یہ کہ عبد اللہ بن علی ثقہ و صدوق تھے۔
(۳)نافع بن عجیر کو ابن حبان نے کتاب الثقات (۵/۴۶۹)میں ذکر کیااور حاکم نے مستدرک (۳/۲۱۱ح ۴۹۳۹)میں اور ابو داود نے اُن کی حدیث کو صحیح کہا۔ ابو القاسم البغوی، ابو نعیم الاصبہانی، ابو موسیٰ اور ابن حجر عسقلانی وغیرہم نے اُنہیں صحابہ میں ذکر کیا۔ دیکھئے الاصابہ (۳/ ۵۴۵ ت ۸۶۶۱)خلاصہ یہ کہ نافع بن عجیر یا تو صحابی تھے یا ثقہ وصدوق تابعی تھے، رحمہ اللہ۔ اس تفصیل سے ثابت ہوا کہ اُن راویوں کو مجہول و مستور قرار دے کر اس حدیث کو رَد کر دینا غلط ہے۔"

(توضیح الاحکام: ۱/۵۹۷، ۵۹۸)

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد نے اس حدیث کے راویوں کی بابت تاثر دیا کہ غیر معروف ہیں مگر فرقہ غیر مقلدیت کے ذہبی زماں علی زئی صاحب نے اس حدیث کی سند پر بحث کر کے اعلان کر دیا:

"اُن راویوں کو مجہول و مستور قرار دے کر اس حدیث کو رَد کر دینا غلط ہے۔"

آگے بڑھنے سے پہلے جانتے چلیں کہ غیر مقلدین کے ہاں علی زئی صاحب کا حدیث اور اسماء الرجال میں کیا مقام ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر سہیل حسن غیر مقلد لکھتے ہیں:

"حافظ زبیر علی زئی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیقات میں یہ پہلو بہت واضح اور گہرا نظر آتا ہے کہ اسماء الرجال اور جرح و تعدیل کے حوالے سے اس عصر کے امام تھے، روایت کی سند کی تحقیق کرتے ہوئے جس مہارت اور دقت سے رجال پر گفتگو کرتے ہیں وہ انہی کا خاص حصہ ہے۔"

(ماہ نامہ اشاعت الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۵۴)

علامہ عبد الرشید عراقی غیر مقلد نے علی زئی صاحب کے متعلق لکھا:

"جملہ علوم اسلامیہ پر ان کی گہری نظر تھی اور بعض علوم خاص کر حدیث اور اسماء الرجال میں امامت کا درجہ رکھتے تھے۔"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۱۱۹)

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد نے علی زئی صاحب کی بابت لکھا:

"احادیث اور رجال ان کو کمپیوٹر کی طرح حفظ اور یاد تھے۔"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۰۱)

قیصر محمود دطبی غیر مقلد نے علی زئی کے بارے میں لکھا:

"علم رجال اور اخبار و انساب کے امام، علل حدیث کے ماہر تھے۔"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۲۴)

شیخ زبیر علی زئی نے ابو داود کی حدیث بتہ کو صحیح السند تسلیم کیا اور یوں بھی لکھا:

"امام شافعی نے فرمایا: اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک حدیث کی سند صحیح و متصل ثابت ہو جائے تو یہ سنت ہے۔"

(علمی مقالات: ۶/ ۴۴۹)

حاصل یہ ہوا کہ علی زئی صاحب کے نزدیک حدیث بتہ کا مضمون "سنت نبوی" ہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے سنن ابی داود کی حدیث کی سند کو حسن لذاتہ کہا۔ اس حدیث سے اکٹھی تین طلاقوں کا واقع ہونا ثابت ہے۔ اور جو شخص سنن ابی داود کے خلاف قول لائے اس کا حکم غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان کی زبانی سن لیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"اگر زیادہ فرصت ہو تو اور کتابیں بھی دیکھیں جیسے جامع ترمذی، سنن ابی داود، موطا، سنن نسائی، ابن ماجہ۔ اور جن مفسدوں کا قول ان کتابوں کے خلاف ہو ان کا قول انہی کے منہ پر پھینک ماریں اور ان کو نائب دجال سمجھیں کائنا من کان۔"

(رفع العاجۃ عن سنن ابن ماجۃ: ۳/ ۳۹۱، مہتاب کمپنی لاہور)

اس کتاب کے شروع میں "تشریح و تصحیح: مولانا محمد سلیمان... تصحیح، نظر ثانی و مقالات: شیخ الحدیث مولانا

محمد عبدہ الفلاح" لکھا ہوا ہے۔

یہاں مولانا عبدالجبار غزنوی غیر مقلد کی تحریر پڑھ لیں، وہ اپنے غیر مقلدین کے متعلق کہتے ہیں:

"ہمارے زمانہ میں ایک فرقہ نیا کھڑا ہوا ہے جو اتباع حدیث کا دعوی کرتا ہے اور در حقیقت وہ لوگ اتباع حدیث سے کنارے ہیں جو حدیثیں کہ سلف اور خلف کے ہاں معمول بہا ہیں، ان کو ادنی سی قدح اور کمزور جرح پر مردود کہہ دیتے ہیں۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث: ۷/ ۸۰، ناشر: مکتبہ اصحاب الحدیث لاہور)

اَب سوال یہ ہے کہ کیا تین طلاقوں کے تین ہونے کی حدیثیں سلف و خلف میں مقبول نہیں رہیں؟ کیا غیر مقلدین انہیں ادنی قدح اور کمزور جرح کے بل بوتے نہیں ٹھکرا رہے؟

غزنوی صاحب مزید کہتے ہیں:

"بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جب ایک مسئلہ میں کوئی ایسی حدیث موجود نہ ہو جو صحیح کے اعلیٰ رتبہ کو پہنچے اور اگرچہ اس میں گونہ کمزوری بھی ہو اور اس پر امت کے سلف و خلف یا جمہور نے عمل بھی کیا ہو تو وہ حجت پکڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے، اور واجب الاتباع ہے اور یہی ہے وہ قول جس پر اگلے پچھلے متفق ہیں۔"

(حوالہ مذکورہ)

مگر حکیم محمد صفدر عثمانی وغیرہ غیر مقلدین سلفیت کے دعوے دار ہونے کے باوجود ایسی حدیث کو واجب الاتباع نہ سمجھیں تو کیا علاج ہے؟

ساتویں حدیث

اَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ دَاوٗدَ عَنِ ابْنِ وَهْبٍ قَالَ: اَخْبَرَنَا مَخْرَمَةُ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ: سَمِعْتُ مَحْمُوْدَ بْنَ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِيْقَاتٍ جَمِيْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ۔

(سنن النسائی: ۲/ ۸۲، باب الثلاث المجموعة و مافيه من التغليظ، حديث: ۳۴۳۰)

ترجمہ: محمود بن لبید نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر دی گئی کہ اس نے اپنی بیوی کو تینوں طلاقیں دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ کی وجہ سے کھڑے ہو گئے۔ پھر فرمایا: کیا میری ہوتے ہوئے کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کھیلا جا رہا ہے؟ یہاں تک کہ ایک آدمی کھڑا ہوا اور کہا: اے اللہ کے رسول! کیا میں اسے قتل نہ کر دوں؟

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ اس حدیث کی بابت لکھتے ہیں:

”حافظ ابن القیمؒ (المتوفی: ۷۵۱ھ) فرماتے ہیں اسنادہ علی شرط مسلم اھ (زاد المعاد جلد ۴ صفحہ ۵۲) کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے اور علامہ ماردینیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بسند صحیح ہے۔ (الجوھر النقی جلد ۷ صفحہ ۳۳۳) حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اسنادہ جید بحوالہ نیل الاوطار جلد ۶ صفحہ ۲۴۱) اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: رواتہ موثقون (بلوغ المرام صفحہ ۲۲۴، و مع سبل السلام جلد ۳ صفحہ ۲۱۲) اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ دفعۃً تین طلاقیں دینا پسندیدہ امر نہیں ہے۔ ورنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہ تو اس کاروائی پر سخت ناراض ہوتے اور نہ یہ ارشاد فرماتے کہ میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے۔“

(عمدۃ الاثاث صفحہ ۲۸)

حضرت مولانا منیر احمد دام ظلہ لکھتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام اور گناہ ہے لیکن واقع ہو جاتی ہیں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قولاً و فعلاً غصہ کا اظہار نہ فرماتے یعنی غصہ سے نہ کھڑے ہوتے اور نہ یہ ناراضگی والے کلمات ارشاد فرماتے بلکہ آپ فرماتے کہ اکٹھی تین طلاقیں ایک ہوتی ہے لیکن یہ نہیں فرمایا۔“

(حرام کاری سے بچئے صفحہ ۸۴)

اعتراض: یہ حدیث ضعیف ہے

متعدد غیر مقلدین نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا۔

رئیس محمد ندوی نے لکھا:

”یہ حدیث صحیح نہیں ہے۔“(سلفی تحقیقی جائزہ صفحہ ۵۲۰)

مزید درج ذیل کتب دیکھئے!

حافظ عبد الغفور۔(البیان المحکم صفحہ ۶۹)

مولانا عبد المنان نور پوری۔(احکام و مسائل:۲/۴۸۵)

جواب:

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا اور جرح کا جچا تلا جواب بھی دے دیا چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”[اِسْنَادُهٗ صَحِيْحٌ]وَهُوَفِي الْكُبْرٰى ح ۹۴۵۵، مَحْمُوْدٌ صَحَابِيٌّ وَّاُعِلَّ الْحَدِيْثُ بِعِلَّةٍ غَيْرُ قَادِحَةٍ، مَخْرَمَةُ عَنْ اَبِيْهِ كِتَاب، وَالرِّوَايَةُ عَنْ كِتَابٍ صَحِيْحَةٌ اِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْجَرْحُ فِيْهِ۔“

ترجمہ: اس کی اسناد صحیح ہے اور یہ (سنن) کبری میں بھی ہے، حدیث:۹۴۵۵۔ محمود صحابی ہیں اور حدیث میں ایسی علت نکالی گئی ہے جو قادح نہیں۔ مخرمہ اپنے باپ کی کتاب سے روایت کرتے ہیں اور کتاب سے روایت کرنا صحیح ہے بشرطیکہ اس میں جرح ثابت نہ ہو۔

(سنن النسائی مترجم اردو:۵/۲۸۸، حدیث:۳۴۳۰ ترجمہ و فوائد حافظ محمد امین... تحقیق و تخریج حافظ ابو طاہر زبیر علی زئی... نظر ثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات حافظ صلاح الدین یوسف)

علی زئی صاحب کی اس عبارت میں یہ اعتراف بھی ہے کہ محمود بن لبید صحابی ہیں۔ علی زئی صاحب کے شاگرد محمد خرم شہزاد محمدی غیر مقلد نے بھی انہیں صحابہ کرام کی فہرست میں شامل کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے ”چند صحابہ کرام کی تاریخِ وفات“ عنوان کے تحت لکھا:

”۸۸۔ محمود رضی اللہ عنہ بن لبید متوفی:۹۶ھ۔“

(اصول حدیث واصولِ تخریج صفحہ ۲۸۸، مکتبۃ التحقیق والتخریج)

فائدہ:

مولانا ابو عمار عمر فاروق غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جناب محمود بن لبید رضی اللہ عنہ صغار صحابہ میں سے ہیں، بیان کرتے ہیں کہ مجھے یاد

ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ڈول سے اپنے دہن مبارک میں پانی بھرا اور مجھ پر پھینکا تھا جب کہ میری عمر پانچ سال تھی۔

(صحیح بخاری ،العلم ،باب متی یصح سماع الصبی: ۷۷)" (حاشیہ: اصلاحات المحدثین صفحہ ۵۴، دار البلاغ پبلشرز لاہور، اشاعتِ اول: جون/۲۰۱۴ء)

حالاں کہ صحیح بخاری کے اس مقام پر سیدنا محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کا ذِکر ہے، نہ کہ سیدنا محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کا۔

بہر حال زیرِ بحث حدیث صحیح ہے۔اس کے ساتھ ساتھ معترضین کو پتہ ہونا چاہیے کہ خود ان کے اپنے غیر مقلدین اس حدیث سے استدلال کیا کرتے ہیں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینا منع ہے۔درج ذیل کتب دیکھئے!

(فتاوی نکاح وطلاق صفحہ ۳۳۶، اشاعت: جنوری ۲۰۰۶ء، فقہ الحدیث پبلی کیشنز لاہور)

(ایک مجلس تین طلاقیں ایک ہوتی ہے صفحہ ۴۳، ۸۸)

یہاں مفتی عبید اللہ خان عفیف غیر مقلد کا طرز عمل بھی جانتے چلیں کہ انہوں نے مخالف کے دلائل کا جواب دیتے ہوئے اس حدیث کی بابت لکھا:

"حضرت محمود بن لبید عہد نبوی میں تولد ہوئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا سماع محل نظر ہے۔امام ابن کثیر سرے سے حدیث کو منقطع ٹھہراتے ہوئے فرماتے ہیں: فیہ انقطاع، یہ روایت منقطع ہے۔ تفسیر ابن کثیر: ج ا ص ۴۷۷۔"

(فتاوی محمدیہ صفحہ ۷۷۶)

مگر اسی "فتاویٰ محمدیہ صفحہ ۸۱۲" میں اس حدیث کو اپنے دلائل میں شامل کر کیا۔ یہاں حاشیہ میں اس حدیث کے متعلق مذکور ہے:

"رواته مؤثقون بلوغ المرام (ص۷۹) وقال ابن كثير اسناده جيد۔"

(حاشیہ: فتاویٰ محمدیہ صفحہ ۸۱۲)

ترجمہ: اس کے رواۃ کی توثیق کی گئی (بلوغ المرام ص۷۹) اور ابن کثیر نے کہا: اس کی سند جید ہے۔

یہاں سارے راوی ثقہ شمار کر لئے گئے اور پہلے جس ابن کثیر کی زبانی اسے ضعیف باور کرایا تھا، اَب اسی سے اس کی سند کا جید ہونا نقل کر دیا گیا۔ حاصل یہ کہ مخالف کے دلائل میں اسے ضعیف کہا اور جب خود کو ضرورت پڑی تو اس کو صحیح باور کرا کے اس سے استدلال کر لیا۔

اعتراض:۲، یہ حدیث اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کی دلیل نہیں

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر دفعۃً تین طلاقیں دینا حرام قطعی تھا اور غیر معتبر نہ تھا تو آپ نے خود اسے حرام، گناہ اور بدعت کیوں لکھا؟...اس حدیث سے تین طلاقوں کے واقعہ ہونے کی دلیل لینا قطعاً درست نہیں بلکہ خلافِ حدیث ہے کیوں کہ جس فعل کو آپ کتاب اللہ سے کھیل کہہ رہے ہیں، اسے نافذ کیسے فرما سکتے ہیں۔''

(احسن الابحاث صفحہ ۳۲،۳۱)

جواب:

حکیم صاحب کہتے ہیں:

''اگر دفعۃً تین طلاقیں دینا حرام قطعی تھا... تو آپ نے خود اسے حرام، گناہ اور بدعت کیوں لکھا؟''

حکیم صاحب! اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام تھا اور مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے بھی حرام لکھا، آپ کو اس میں کیا اشکال ہے؟

باقی رہا آپ کا یہ اصول بنالینا کہ چوں کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غصہ ہوئے اور اسے کتاب اللہ سے کھیل قرار دیا، اس لیے یہ واقع نہیں ہونی چاہئیں۔

عرض ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حالتِ حیض میں طلاق دینے سے بھی منع کیا۔ مولانا صفی الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت ناراض ہوئے اور یہ ناراضگی ایام حیض میں طلاق دینے کی حرمت پر دلالت کرتی ہے۔''

(اتحاف الکرام شرح بلوغ المرام اردو: ۲/۷۹، مترجم مولانا عبد الوکیل علوی، دار السلام لاہور)

مگر اس کے باوجود حکیم صاحب سمیت غیر مقلدین کی اکثریت کے ہاں حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

حافظ محمد امین غیر مقلد نے زیر بحث حدیث (حدیث محمود بن لبید) کے تحت لکھا:

"اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین طلاقیں اکٹھی دینا خلاف شرع اور بدعت ہے... اگر حیض کی طلاق کو حرام اور بدعت کہا جاسکتا ہے تو اس کو کیوں نہیں؟ جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مقامات پر ناراضی کا اظہار فرمایا ہے۔"

(ترجمہ و فوائد: سنن النسائی مترجم اردو صفحہ ۲۸۹، نظر ثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات حافظ صلاح الدین یوسف)

جناب! آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہی کہ جب اکٹھی تین طلاقیں دینا حرام ہیں تو واقع کیوں ہوتی ہیں؟ یہی سوال آپ لوگوں سے ہے جب حالت حیض میں دی جانے والی طلاق گناہ، بدعت اور حرام ہے اور غیر مقلدین کے مذکورہ بالا حوالوں کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی طلاق پر ناراض بھی ہوئے، تو یہ طلاق کیوں واقع مانتے ہو؟ کیا حالتِ حیض میں طلاق دینا کتاب اللہ سے کھیل نہیں؟ اگر ہے تو ایسی طلاق واقع کیوں ہو جاتی ہے؟ حالتِ حیض میں دی گئی طلاق کا وقوع امین صاحب بھی مانتے ہیں۔(ترجمہ و فوائد: سنن النسائی مترجم اردو صفحہ ۵/۸۱، ۲۸۲، ۲۲۸۸، نظر ثانی، تصحیح و تنقیح اور اضافات حافظ صلاح الدین یوسف)

بدعی طلاقوں کے وقوع پر غیر مقلدین کے بہت سے حوالے ہماری اسی کتاب کے باب: غیر شرعی/بدعی طلاقوں کا وقوع غیر مقلدین کی زبانی" میں منقول ہیں۔

جناب! دو الگ الگ مسئلے ہیں ایک ہے اکٹھی تین طلاقوں کا دینا، یہ منع ہے اور دوسرا یہ کہ اگر کوئی ممنوع ہونے کے باوجود تینوں دے چھوڑے تو واقع ہو جاتی ہیں اور یہ کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ بدعی طلاقیں دینا از راہ شرع ممنوع ہیں، مگر غیر مقلدین کے اکثری طبقہ کے نزدیک یہ واقع ہو جاتی ہیں۔ ہاں صرف اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کا استثناء کر لیتے ہیں جب کہ یہ بھی بدعی طلاقوں میں شامل ہے۔

آٹھویں حدیث

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے حیض کی حالت میں بیوی کو ایک طلاق دی پھر ارادہ کیا کہ باقی دو

طلاقیں بھی باقی دو حیض (یاطہر) کے وقت دے دیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو اُن سے فرمایا: تجھے اللہ نے اس طرح کرنے کا حکم تو نہیں دیا تو نے سنت کی خلاف ورزی کی۔ سنت تو یہ ہے کہ جب طہر کا زمانہ ہو تو ہر طہر میں اسے ایک طلاق دو۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم دیا، چنانچہ میں نے رجوع کر لیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: جب وہ طہر کے زمانہ میں داخل ہو تو اس کو طلاق دے دینا اور چاہو تو بیوی بنا کر رکھ لینا۔ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَرَأَیْتَ لَوْ اَنِّیْ طَلَّقْتُھَا ثَلَاثًا کَانَ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَھَا قَالَ لَا کَانَتْ تَبِیْنُ مِنْكَ وَتَکُوْنُ مَعْصِیَۃً۔

(سنن الکبری: ۷/۳۳۴، دار قطنی: ۲/۴۳۸)

ترجمہ: میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! بتایئے! اگر میں اسے تین طلاقیں دے دیتا تو کیا میرے لیے اس سے رجوع کرنا حلال ہوتا؟ فرمایا: نہیں۔ وہ تجھ سے جدا ہو جاتی اور ایسا کرنا گناہ ہوتا۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ تین طلاقیں دے چکنے کے بعد رجوع کی گنجائش نہیں ہوتی۔ مذکورہ حدیث میں الفاظِ نبوی ''تَبِیْنُ مِنْكَ'' سے پتہ چلتا ہے کہ تین طلاقیں دینے کے بعد بیوی بائنہ ہو جاتی ہے۔ یہاں غیر مقلدین یہ تاویل بھی نہیں کر سکتے کہ چوں کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا منع ہے اس لئے اسے معصیت/گناہ قرار دیا گیا۔ اگر وہ محض اسی وجہ کو گناہ تصور کرتے ہیں تو ''تَبِیْنُ مِنْكَ'' کے خلاف جاتا ہے، اس لئے کہ غیر مقلدین کے ہاں ایک مجلس کی تین طلاقیں حالتِ حیض میں ہوں یا طہر میں ایک رجعی طلاق کے حکم میں ہیں نہ کہ طلاق بائن۔ جب کہ اس حدیث میں ہے کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں عورت بائنہ ہو جائے گی۔ مزید یہ کہ اگر گناہ کی وجہ حالتِ حیض میں طلاق دینا قرار دیں۔ تو اس کے ساتھ گناہ کی وجہ اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی ہے۔ بلکہ اکٹھی تین طلاقیں دینا حالتِ حیض میں طلاق دینے کی بہ نسبت زیادہ عتاب کا باعث ہے جیسا کہ آگے حدیث: کے تحت ہم اس پر دلیل پیش کریں گے ان شاء اللہ۔

حاصل یہ کہ اس حدیث میں ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے کا مضمون ہے جیسا کہ مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

”یہ اثر اگر صحیح ثابت ہو جاتا تو قطع نزاع کے کام آسکتا تھا، مگر مشکل یہ ہے کہ یہ اثر انتہائی مجروح ہے۔“

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۳)

کیلانی صاحب کی اس عبارت میں اعتراف ہے کہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو اختلاف کو ختم کرنے کے لئے فیصلہ کن ہے۔ عرض ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس پر جو اعتراضات ہیں اس کے جوابات مع غیر مقلدین کی تائیدات آئندہ سطور میں ملاحظہ ہوں۔

حدیث کی سند پر اعتراضات کا جائزہ

اعتراض:۱......اس کی سند میں شعیب بن رزیق راوی ضعیف ہے۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اس کے راوی صرف شعیب بن رزیق ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف کہا ہے۔“

(ایک مجلس تین طلاقیں ایک ہوتی ہے صفحہ ۱۲۴)

حافظ عبد الغفور غیر مقلد (خطیب مسجد مبارک اہلِ حدیث فاروقہ سرگودھا) نے مولانا شمس الحق عظیم آبادی کی کتاب ”التعلیق المغنی:۴/۳۶“ سے نقل کیا کہ اس کی سند میں شعیب بن رزیق ہے اور وہ ضعیف ہے۔“

(البیان المحکم صفحہ ۷۰، ناشر: اہلِ حدیث یوتھ فورس ضلع سرگودھا، سن اشاعت: مارچ/۲۰۰۸ء)

جواب:

خواجہ صاحب نے محدثین کی طرف نسبت تو کر دی مگر یہ نہیں بتایا کہ وہ کون ہیں اور ان کی جرح کس کتاب میں ہے۔ خواجہ صاحب تو متاخرین کے ایک فرد ہیں اگر متقدمین میں سے کوئی بزرگ یہ بات کہتے تو بھی یہ اعتراف غیر مقلدین معتبر نہ ہوتی۔ چنانچہ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حافظ ابن عبد البر نے بعض مجہول لوگوں سے ”ضعفوه“ کا عندیہ دیا ہے۔ یہ ضعیف قرار دینے والے لوگ کون ہیں؟ ہمیں معلوم نہیں۔“

(توضیح الاحکام:۱/۵۹۷)

علی زئی صاحب نے لکھا:

”ابن ابی حاتم کا قول ”تکلموا فیه“ کئی لحاظ سے مردود ہے...یہ جرح غیر مفسر ہے...

اس کا جارح نا معلوم ہے۔"

(نور العینین صفحہ ۸۸)

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جارح مجہول کی جرح غیر معتبر و نا مقبول ہے۔"

(تحقیق الکلام صفحہ ۱/ ۶۳)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"امام دار قطنی نے اگر "لینوہ" کہا ہے تو اس کو لین کہنے والے مجہول ہیں، لہذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔"

(توضیح الکلام: ۱/ ۵۳۴)

اثری صاحب نے مزید لکھا:

"اگر جارح مجہول ہے تو اہلِ علم نے جرح کو قبول نہیں کیا۔"

(حوالہ مذکورہ)

عبد الغفور صاحب نے شعیب بن رزیق کی بابت "ضعیف" ہونے کا تاثر تو دیا مگر کسی محدث سے جرح نقل نہیں کی۔ عرض ہے کہ ابو الفتح اَزدی کو اس کا جارح بتایا گیا۔

حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب نے شعیب بن رزیق کے متعلق لکھا:

"ائمہ جرح و تعدیل میں سے کسی نے ان کی تضعیف نہیں کی، ہاں ابو الفتح ازدی نے بے شک ان کو "لین" کہا مگر یہ بہت نرم جرح اور کمزور جرح ہے، علاوہ بریں ابو الفتح کی جرحیں بالکل نا قابل اعتبار ہیں اولاً: اس لئے کہ وہ خود ضعیف و صاحب مناکیر و غیر مرضی ہیں۔ ثانیاً: وہ بے سند و بے وجہ جرح کیا کرتے ہیں جیسا کہ حافظ ذہبی میزان الاعتدال (جلد ۱ صفحہ ۴) اور (جلد ۳ صفحہ ۴۶) میں حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب جلد اول ترجمہ احمد بن شعیب میں لکھا ہے۔"

(الاعلام المرفوعۃ صفحہ ۱۴)

حضرت اعظمی صاحب نے دو باتیں فرمائیں: ۱۔ جارح ازدی خود ہی غیر معتبر ہے۔ ۲۔ لین نرم اور انتہائی

کمزور جرح ہے اور یہ دونوں باتیں غیر مقلدین کو بھی تسلیم ہیں۔

غیر مقلدین نے اعتراف کیا کہ اَز دی کی جرح کا کوئی اعتبار نہیں بلکہ وہ خود ہی ضعیف و متروک ہے۔

محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی: اَز دی خود ضعیف ہے، اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ھذہ مجازفة لیت الازدی عرف ضعف نفسه۔" یہ ظلم ہے۔ کاش ازدی اپنے ضعف کو پہچانتے۔ اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح و تعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں، نہ ان کی جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔"

(جرح و تعدیل کے اصول و ضوابط صفحہ ۴۳، ناشر: دار ابن بشیر للنشر والتوزیع)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"محمد بن الحسین الازدی بذاتِ خود ضعیف ہے۔"

(علمی مقالات: ۳/ ۲۵۴)

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

"ابوزرعہ الرازی کے مقابلے میں ازدی بذات خود ضعیف و مجروح کی جرح مردود ہے۔"

(علمی مقالات: ۳/ ۴۹۷)

علی زئی صاحب نے مزید لکھا:

"ازدی ضعیف و متروک۔"

(علمی مقالات: ۵/ ۱۹)

علی زئی صاحب نے دوسری جگہ لکھا:

"ازدی بذاتِ خود ضعیف، متروک بلکہ سخت مجروح ہے۔"

(علمی مقالات: ۵/ ۲۹)

مولانا ابوالقاسم سیف بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جی جناب! ازدی تو خود ضعیف ہے، لہذا کسی دوسرے کے متعلق اس کی جرح کیوں کر

احاطہ قبول میں آ گے گی ؟ اَز دی کی جرح غیر مقبول ہونے کی بہ نسبت ہم بہت بسط سے اپنے رسالہ ''العرجون القدیم'' (ص:٥٦) میں لکھ چکے ہیں۔ نیز اس کی کچھ تفصیل ... عبد الحمید بن ابی اویس کی جرح کے جواب میں آ گے گی۔ یہاں پر مختصر یہ کہ حافظ ابن حجر ''ہدی الساری'' میں لکھتے ہیں ... لَا عِبْرَةَ بِقَوْلِ الْاَزْدِیْ لِاَنَّهٗ هُوَ ضَعِیْفٌ ، فَکَیْفَ یُعْتَمَدُ فِیْ تَضْعِیْفِ الثِّقَاتِ ... نہ ازدی کے قول کا (جرح میں کچھ) اعتبار ہے، اس لئے کہ ازدی بذاتِ خود ضعیف ہے، پس ثقات کی تضعیف میں کیوں کر اس پر اعتماد کیا جائے گا؟''

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ٤٤٠)

بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

''سنا کہ نہیں جناب! اور ہم احمد بن شبیب کے بیان میں لکھ آئے ہیں کہ ازدی خود ضعیف ہے، لہٰذا ثقات کے حق میں اس کی تضعیف قطعاً مقبول نہیں، نیز ہم عبد الحمید کے بیان میں بالتفصیل بتلادیں گے کہ ثقات کی تضعیف کرنا ازدی کی عادت ہے، لہٰذا اس کی جرح کبھی مقبول نہیں ہو سکتی۔''

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ٤٤٥)

بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

''یہاں پر اسی ازدی کی جرح ہے، جو غیر مقبول ہے ... دیکھئے! ازدی کی جرح نامقبول ہونے کی بابت ہم کس قدر عبارتیں لکھتے جاتے ہیں، ان کو یاد رکھئے گا، باقی ہم عبد الحمید کے بیان میں پیش کریں گے، ان شاء اللہ۔''

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ٤٤٨)

بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

''ازدی کی بابت بارہا مختلف عبارت کے ساتھ لکھا گیا ہے کہ یہ خود ضعیف ہے۔ لہٰذا اس کی جرح کسی کے حق میں مقبول نہیں، خصوصاً جب یہ متفرد ہو۔''

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ٤٦٧)

بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

''باقی رہا عبد الحمید پر ابو الفتح ازدی کا جرح کرنا اور اس کو واضع الحدیث کہنا، یہ ازدی کی

بڑی سخت غلطی ہے، اسی واسطے حافظ المغرب ابو عمر ابن عبد البر مالکی نے کہا ہے: ان ھذا القول من الازدی رجم بالظن الفاسد و کذب محض" انتھی (ھدی الساری:۴۱۶) یعنی ازدی کا ایسا کہنا تہمت اور نرا جھوٹ ہے۔" اور آپ نے اسی میزان میں ذرا سا آگے نہیں دیکھ لیا۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:" وھذا من الازدی زلة قبیحة" انتھی یعنی ازدی سے بڑی لغزش ہوئی ہے اور ابو الفتح ازدی بڑے متشددین میں سے ہیں، حافظ ذہبی نے میزان میں بذیل ترجمہ ابان بن اسحاق المدنی لکھا ہے: قال ابوالفتح الازدی متروك، اس کے بعد لکھا ہے: قلت لایترك فقد وثقه احمد العجلی ، وابو الفتح یسرف فی الجرح ، وله مصنف کبیر الی الغایة فی المجروحین، جمع فاوعی، وجرح خلقا بنفسه، لم یسبقه احد الی التکلم فیهم وهو المتکلم فیه " انتھی (میزان الاعتدلال :۱/ ۵) یعنی ابان بن اسحاق کو ازدی نے متروک کہہ دیا، حالاں کہ وہ متروک نہیں ہے، بلکہ عجلی نے اس کو ثقہ کہا (پس) ازدی جرح میں بہت زیادتی کرتا ہے، اس کی ایک بڑی ضخیم کتاب ہے اس میں جھوٹ موٹ ثقہ راویوں کو مجروح کرتا گیا ہے۔" معلوم ہوا کہ یہ ازدی کی عادت کی وجہ سے ہے کہ اس نے عبد الحمید کو واضع الحدیث کہہ دیا، حالاں کہ یہ ازدی خود سخت ضعیف ہے۔

حافظ ذہبی میزان میں ابو الفتح ازدی کے ترجمہ میں فرماتے ہیں:" محمد بن الحسین ابو الفتح بن یزید الازدی الموصلی الحافظ وله کتاب کبیر فی الجرح والضعفاء، فیه مؤاخذات، ضعفه البرقانی، وقال ابو النجیب عبد الغار: رأیت اهل الموصل یوهنون ابا الفتح ، ولایعدونه شیئا، وقال الخطیب: فی حدیثه مناکیر، " انتھی (میزان الاعتدال:۳/ ۵۲۳) یعنی ابو الفتح ازدی کو برقانی نے ضعیف کہا ہے، اور کل ان کے شہر والے اہلِ موصل ان کو کچھ شمار نہیں کرتے اور خطیب بغدادی نے ان کی حدیثوں کو منکر کہا ہے۔" اور حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں بذیل ترجمہ احمد بن شبیب البصری کہا ہے کہ الازدی غیر مرضی۔ (تہذیب التہذیب: ۱/ ۳۱) اب لیجئے! ازدی خود ضعیف ٹھہرے اور جرح میں ان کا مشدد ہونا ثابت ہوا۔ پس ازدی کا عبد الحمید بن ابی اویس پر کلام کرنا غلط و باطل ثابت ہوا۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۹۱۱،۹۱۰)

ازدی کی جرح اور ان کی اپنی حیثیت ملاحظہ کر لینے کے بعد یوں بھی غور کریں کہ انہوں نے شعیب بن رزیق کے متعلق "لین" کہا ہے۔ اور "لین" جرح کی کیا حیثیت ہے یہ بھی غیر مقلدین کی زبانی ملاحظہ ہو مولانا ابو القاسم سیف بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"دوم: محمد بن صلت میں جو جرح "فیہ لین" کی گئی ہے، وہ ایسی جرح ہے جس کو محدثین ہی جانتے ہیں کیوں کہ جرح غیر مفسر ہے، جو غیر مقبول ہے جس کی تفصیل تمہید کتاب میں گزر چکی ہے۔ سوم: اس کو سرے سے جرح ہی نہیں کہہ سکتے کما لایخفی علی ماھر الاصول۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۶۲۷)

دفاعِ صحیح بخاری کے حاشیہ میں لکھا ہے:

"لین الحدیث: یہ خفیف جرح ہے، یہ بھی کسی راوی کے صدوق ہونے کے منافی نہیں۔"

(حاشیہ: دفاع صحیح بخاری صفحہ ۵۴۴)

حاشیہ میں مزید لکھا ہے:

"لین الحدیث یا فیہ لین جرح کا سب سے ہلکا اور اولین درجہ ہے، مراتب جرح کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ان الفاظ کی بابت امام ابن ابی حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں واذا اجابو فی الرجل بلین الحدیث، فھو ممن یکتب حدیثہ و ینظر فیہ اعتبارا" اسی طرح امام ذہبی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجر اور حافظ سخاوی رحمۃ اللہ علیہم نے اسے جرح کو ہلکا اور اولین درجہ قرار دیا۔"

(حاشیہ: دفاع صحیح بخاری صفحہ ۶۲۸)

مولانا نذیر احمد رحمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"محدثین نے "فیہ لین" اور "لین الحدیث" کو ہلکے اور معمولی درجہ کے الفاظ جرح میں شمار کیا ہے۔"

(انوار المصابیح صفحہ ۱۱۵)

رحمانی صاحب نے مزید لکھا:

"معلوم ہوا کہ جس راوی کے متعلق "فیہ لین" یا "لین الحدیث" کہا ہو اس کی روایت

قابل طرح وترک نہیں ہے۔"

(حوالہ مذکورہ)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اصطلاحاً "لین الحدیث" کے یہ معنی قطعاً نہیں کہ وہ حدیث میں ضعیف ہے۔"

(تنقیح الکلام صفحہ ۱۵۴، ناشر: ادارۃ العلوم الاثریۃ فیصل آباد، تاریخِ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۴)

اعتراض: ۲......شعیب بن رزیق کو علامہ ابن حزم نے ضعیف کہا ہے۔

یہ بھی کہا گیا کہ شعیب بن رزیق کو علامہ ابن حزم نے بھی ضعیف کہا ہے۔ علامہ ابن حزم ظاہری کی جرح کی کیا حیثیت ہے خود غیر مقلدین کی زبانی سن لیں۔

شیخ محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن حزم کا تشدد اور شذوذ معروف ہے، لہذا ان کی بات قابل التفات نہیں۔"

(جرح وتعدیل کے اصول وضوابط صفحہ ۴۲، ناشر: دار ابن بشیر للنشر و التوزیع)

مولانا ابو القاسم سیف بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن حزم نے ان کی تضعیف میں زیادتی سے کام لیا ہے، نہ تو ان کے پاس اس کی کوئی وجہ ہے، نہ ان میں کوئی ان کا مؤید ہے، بلکہ وہ نقد رجال میں ذرا عجلت کر جاتے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر نے اس پر تعاقب کیا چنانچہ تہذیب التہذیب میں ارقام فرماتے ہیں: وضعفه ابومحمد بن حزم فاخطاء لانا لا نعلم له سلفا فی تضعیفه" انتھی یعنی ابن حزم نے ان کی تضعیف میں خطا کی ہے، کیوں کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہیں ہوا۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۶۴۳)

بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

"ابن حزم کی جرح کی بابت گزرا کہ یہ جرح میں عجلت کر جاتے ہیں اور زیادتی سے کام لیتے ہیں، اسی لئے محدثین کے یہاں ان کی جرح بحالت متفرد ہونے کے محل نظر رہتی ہے، بلکہ اکثر غیر قابل قبول ہوتی ہے۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۶۵۵)

مولانا شرف الدین دہلوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”محلی ابن حزم کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو کیا دیکھتا ہوں، اس نے اس مسئلہ میں انا ولا غیری کا ہڑ بم بپار کھا ہے جیسے اس کی عادت ہے، اور اپنی عادت سے مجبور بھی ہے۔“

(فتاویٰ ثنائیہ: ۲/ ۳۵۰)

مولانا عبد الحق نوناری (المعروف ہاشمی) غیر مقلد نے علامہ ابن حزم ظاہری کے متعلق لکھا:

”اباح الغناء وبالغ فيه حتى ضعف حديث البخاري في حرمة الغناء وادعى انه منقطع وهو ما رواه البخاري في الاشربة من حديث ابي عامر او ابي مالك الاشعري عن النبي صلى الله عليه وسلم قال ليكونن في امتي اقوام يستحلون الحر والحرير والخمر والمعازف۔“

(رسائل مولانا عبد الحق صفحہ ۵۸)

ترجمہ: انہوں نے گانے کو جائز قرار دیا اور اس میں مبالغہ سے کام لیا یہاں تک کہ گانے کی حرمت والی حدیث بخاری کو ضعیف کہہ دیا اور دعوی کیا کہ یہ منقطع ہے۔ یہ حدیث وہ ہے جسے بخاری نے کتاب الاشربۃ میں ابو عامر یا ابو مالک اشعری سے روایت کیا ہے، انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ آپ نے فرمایا: میری امت میں ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو ریشم، شراب، گانے باجے کے آلات کو حلال قرار دیں گے۔

علامہ ابن حزم نے بخاری کی جس حدیث کو ضعیف کہا ہے یہ بخاری: ۲/ ۸۳۷، کتاب الاشربہ، باب: ماجاء فيمن يستحل الخمر ويسميه بغير اسمه میں ہے۔

مولانا ابو القاسم سیف بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اس حدیث کی بابت اب تک کسی نے کوئی اعتراض بھی نہیں کیا سوائے ابن حزم کے کہ انہوں نے غلطی سے اس تعلیق بخاری کو انقطاع سمجھ لیا تھا، اس کا جواب حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دیا ہے: هذا الذي قاله خطأ نشاء عن عدم تامل۔“ (فتح الباری: ۱۰/ ۵۲) یعنی ابن حزم نے جو اس کو منقطع کہا ہے، اس میں ان سے بوجہ عدم تامل خطا ہو گئی ہے۔ اور علامہ عینی نے فرمایا: ”وهم ابن حزم في هذا (۱۰/ ۹۲) یعنی اس دعویٰ انقطاع میں ابن حزم کو وہم ہو گیا ہے۔ اور

قاضی شوکانی نے فرمایا: اخطأ ابن حزم فی دعوی الانقطاع من وجوہ۔ یعنی ابن حزم نے جو اس حدیث کے منقطع ہونے کا دعوی کیا ہے اس میں کئی وجہوں سے خطاء کی ہے۔ (نیل: ۷/۳۱۴) معلوم ہوا کہ تعلیق مذکور منقطع نہیں بلکہ متصل ہے۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۱۸۸،۱۸۹)

علامہ ابن حزم ظاہری کی جرح کو اُن کے اپنے زاویہ سے بھی دیکھ لیتے ہیں، انہوں نے کہا:

"وَاِذَا وَرَدَ حَدِيْثٌ مُرْسَلٌ اَوْ فِیْ اَحَدِ نَاقِلِيْهِ ضُعُفٌ فَوَجَدْنَا ذٰلِكَ الْحَدِيْثَ مُجْمَعًا عَلٰى اَخْذِهٖ وَالْقَوْلُ بِهٖ عَلِمْنَا يَقِيْنًا اَنَّهٗ حَدِيْثٌ صَحِيْحٌ لَا شَكَّ فِيْهِ۔"

(توجیہ النظر الی اصول الاثر صفحہ ۵۰، طبع مصر)

ترجمہ: اور جب کوئی حدیث مرسل ہو یا اس کے راویوں میں سے کسی میں ضعف ہو، پھر ہم نے پایا کہ اس حدیث کے لینے اور اس پہ عمل کرنے پر اجماع ہے تو ہم یقینی طور پہ جان لیں گے کہ وہ صحیح حدیث ہے جس میں کوئی شک نہیں۔

تین طلاقوں کے تین ہونے پہ امت کا اجماع رہا ہے۔ ہماری اسی کتاب میں ایک باب:..... قائم ہے جس میں محدثین اور بعض غیر مقلدین کے حوالے اس مسئلہ کے اجماعی ہونے پہ منقول ہیں۔

فائدہ:

شعیب بن رزیق کو امام دار قطنی رحمہ اللہ نے ثقہ کہا، امام ابن حبان رحمہ اللہ نے انہیں ثقات میں لکھا مگر عطاء خراسانی کے طریق میں کلام کیا۔ محدث وحیم فرماتے ہیں لا باس بہ تھے۔

(میزان: ۱/۷۴۴، تہذیب التہذیب: ۴/۳۵۳)

یہاں امام ابن حبان رحمہ اللہ کے کلام کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ شعیب مجہول نہیں۔

اعتراض: ۳..... اس کی سند کے راوی معلی بن منصور جھوٹے ہیں۔

زیر بحث حدیث کی سند کے ایک راوی معلی بن منصور ہیں۔ مولانا امین محمدی غیر مقلد اُن کے متعلق کہتے ہیں:

"جب جناب امام احمد سے پوچھا گیا کہ آپ ان سے روایت کیوں نہیں لیتے تو انہوں نے

فرمایا کان یکذب کہ وہ حدیث بیان کرتے ہوئے جھوٹ بولا کرتا تھا۔“

(مقالہ)

حضرت مولانا عبد القدوس خان قارن دام ظلہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

”جناب محمدی صاحب کا یہ کہنا کہ معلی بن منصور کے بارہ میں امام احمدؒ نے کہا کہ کان یکذب الخ۔ تو عرض ہے کہ جناب محمد امین محمدی صاحب کو اگر کسی اور پر اعتماد نہیں تو کم اَز کم اپنے اکابرین پر تو اعتماد کریں۔ اور یہ بات کہنے سے پہلے کاش وہ اپنے محدث مبارک پوری صاحبؒ سے ہی اس کی حقیقت پوچھ لیتے۔ وہ فرماتے ہیں کہ معلی بن منصور الرازی نزیل بغداد ثقة سنی فقیه طلب للقضاء فامتنع اخطأ من زعم ان احمد رماه بالکذب (ترجمہ)معلی بن منصور جو بغداد میں آباد ہوا، ثقہ اور سنی اور فقیہ ہے۔ اس کو قضاء قبول کرنے کا کہا گیا مگر اس نے نہ مانا۔ اور جو آدمی یہ خیال کرتا ہے کہ امام احمدؒ نے اس کی جانب جھوٹ کی نسبت کی ہے (یعنی اس کو جھوٹا کہا ہے) تووہ آدمی غلطی پر ہے (تحفۃ الاحوذی ص ۵۹ ج ۲)... مبارک پوری صاحب کے اس واضح بیان کے بعد جناب محمدی صاحب کے اعتراض کی کچھ بھی حیثیت نہیں رہتی۔“

(جواب مقالہ صفحہ ۱۲۹)

اعتراض:۴......اس کی سند میں عطاء خراسانی مجروح ہے۔

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد اس مقام پہ یوں اعتراض کرتے ہیں:

”اس کی سند میں عطاء خراسانی ہے جس کے بارے میں ابن حبان نے کہا ہے کہ وہ سیء الحفظ اور کثیر الوہم ہے۔“

(احسن الابحاث صفحہ ۳۶)

جواب:

عطاء خراسانی جمہور کے ہاں ثقہ راوی ہے ان کی توثیق پہ مشتمل حوالہ جات حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب کی کتاب ”الاعلام المرفوعۃ صفحہ ۱۷،۱۸“ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب کی کتاب ”عمدۃ الاثاث صفحہ ۶۰“ میں منقول ہیں۔ میں یہاں تین باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۱)عطاء خراسانی علی سبیل الاختلاف بخاری کا راوی ہے۔

(۲)عطاء خراسانی رواۃ مسلم میں سے ہیں۔

(۳) شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق عطاء خراسانی جمہور کے ہاں ثقہ ہیں۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

" صحیح بخاری جلد ۲ ص ۷۳۲ اور ص ۷۹۶ میں عطاء کی روایت موجود ہے۔ محدث ابو مسعود الدمشقی اور ان کے پیروکار اور علامہ قسطلانی وغیرہ تصریح کرتے ہیں کہ یہ عطاء خراسانی ہے۔"

(حاشیہ: احسن الکلام صفحہ ۲۲۱)

امام بخاری رحمہ اللہ نے باب: "ودا ولا سواعا ولا یغوث ویعوق و نسرا" قائم کیا۔ اس باب کے تحت عطاء کی سند سے حدیث لائے۔ (صحیح بخاری: ۲/ ۷۳۲، حدیث: ۴۹۲۰)

اس کی بابت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صراحت کی کہ یہ عطاء خراسانی ہے۔ (فتح الباری: ۱۰/ ۲۹۳)

علامہ وحید الزمان غیر مقلد نے بھی اسے "عطاء خراسانی" قرار دیا ہے۔ (تیسیر الباری: ۶/ ۴۳۵، تاج کمپنی)

عطاء کے راوی بخاری ہونے کی بابت اختلاف ہے بعض اسے بخاری کا راوی کہتے ہیں اور بعض نہیں۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ صحیح مسلم کے راوی ہیں۔ (رجالِ مسلم ابن منجویہ: ۲/ ۱۰۲)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عطاء خراسانی کی بابت لکھا کہ یہ مسلم، ابو داود، نسائی، ترمذی اور ابن ماجہ کا راوی ہے۔ (تہذیب التہذیب: ۷/ ۲۲۲)

شیخ ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"عطاء خراسانی... صحیح مسلم کے راوی اور صدوق ہیں۔"

(توضیح الکلام صفحہ ۶۱۲)

اور صحیح مسلم کے راویوں کو تو خود معترض حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد بھی ثقہ مانتے ہیں چنانچہ انہوں اپنی اسی کتاب میں ایک راوی کے متعلق لکھا:

"یہ بخاری مسلم کا راوی ہے اور بخاری و مسلم کے رواۃ کا ثقہ ہونا مسلّم ہے۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۷۱)

شیخ ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حسان تو صحیح بخاری اور مسلم کے راوی بھی ہیں۔اس لئے انہیں ضعیف قرار دینا محض ہٹ دھرمی ہے۔“

(تنقیح الکلام صفحہ ۱۴۲)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے اپنے مضمون ”اَلسَّعْیُ الْمَشْکُوْرُ فِیْمَنْ وَثَّقَهُ الْجُمْهُوْرُ، اُن کے متعلق کامیاب کوشش جنہیں جمہور نے ثقہ قرار دیا“ میں لکھتے ہیں:

”عطاء بن ابی مسلم الخراسانی :قال ابن عراق الکنانی : الجمهور علی توثیقه۔

(تنزیہ الشریعۃ:۲/ ۲۷، ۳، ح۲۸)

ترجمہ:عطاء بن ابی مسلم الخراسانی :ابن عراق الکنانی نے کہا:جمہور اس کی توثیق پہ قائم ہیں۔

(علمی مقالات:۳/ ۳۵۷)

عطاء خراسانی جمہور محدثین کے ہاں ثقہ ہیں اور غیر مقلدین کو یہ اعتراف بھی ہے کہ جمہور کے مقابلہ میں بعض محدثین کی جرح مرجوح ہوتی ہے۔لہذا جمہور کے مقابلہ میں ابن حبان وغیرہ کی جرح مضر نہیں۔اگر جمہور کے خلاف بعض کی جرح کو اہمیت دے بھی دی جائے تو یہ راوی مختلف فیہ کہلائے گا۔اور غیر مقلدین کے ”شیخ الاسلام“ مولانا محمد گوندلوی غیر مقلد نے لکھا:

”جب راوی مختلف فیہ ہو تو اس کی حدیث حسن ہوتی ہے۔“

(خیر الکلام صفحہ ۲۳۸)

مزید یہ کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے جو عطاء خراسانی میں کلام کیا ہے حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے میزان ۲/ ۱۱۹: میں اس کو نقل کر کے یوں فرمایا: ”فهذا القول من ابن حبان فیه نظر“ یعنی ابن حبان کے اس کلام میں نظر و اعتراض ہے، علاوہ بریں ابن حبان کی سختی حد اعتدال سے بڑھی ہوئی ہے، اس لئے ان کی جرحیں محدثین کے نزدیک معتبر نہیں ہیں۔ دیکھو الرفع والتکمیل (صفحہ ۱۹، ۱۸) اور القول المسدد اور میزان (جلد ۱ صفحہ ۱۲۷)، (جلد ۲ صفحہ ۸۵) اور (جلد ۳ صفحہ ۲۲۱)

(منقول اَز الاعلام المرفوعۃ صفحہ ۱۶)

حکیم صاحب نے عطاء خراسانی کی بابت ابن حبان کی جانب سے ”کثیر الوهم“ الفاظ لکھتے ہیں۔ جس کا

جواب اوپر دیا چکا ہے مزید یہ کہ حکیم صاحب نے تو صرف ابن حبان کی طرف سے یہ الفاظ لکھے جب کہ مؤمل بن اسماعیل کو متعدد محدثین نے "کثیر الغلط" کہا ہے چنانچہ شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد نے مؤمل بن اسماعیل کے جارحین کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا:

"زیادہ غلطی کرنے کی بات درج ذیل لوگوں نے کہی ہے: ۱۔ امام ابو حاتم: کثیر الخطاء، زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔ ۲۔ امام ابن سعد: کثیر الغلط، زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔ ۳۔ امام مروزی: کثیر الغلط، زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔ ۴۔ امام نسائی: کثیر الخطاء، زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔ ۵۔ امام ساجی: کثیر الخطاء، زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔ ۶۔ امام ابن عمار الشہید: فیخطئ الکثیر، یہ زیادہ غلطی کرنے والے تھے۔"

(انوار البدر صفحہ ۴۴۷)

متعدد محدثین کے "کثیر الغلط" قرار دینے کے باوجود سنابلی وغیرہ بہت سے غیر مقلدین نے مؤمل بن اسماعیل کو ثقہ باور کرایا ہے۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"راوی شعیب ہے، جس میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ دوسرا راوی رزیق ہے، جو ضعیف ہے، تیسر اعطاء خراسانی ہے، جسے امام بخاری نے شیعہ اور ابن حبان نے ضعیف قرار دیا۔ سعید بن مسیب اسے جھوٹا بتاتے ہیں۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۳)

کیلانی صاحب کا شعیب اور رزیق کو الگ الگ راوی بتانا درست نہیں بلکہ راوی شعیب ہے رزیق اُن کے والد کا نام ہے۔

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد نے اس حدیث کے راوی عطاء خراسانی کے متعلق لکھا:

"اس کے راوی صرف شعیب بن رزیق ہیں جنہیں محدثین نے ضعیف کہا ہے۔ انہوں نے اسے عطاء الخراسانی سے رروایت کیا ہے وہ بھی امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ، شعبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان کے نزدیک ضعیف ہے۔ سعید بن مسیب نے انہیں جھوٹا کہا ہے۔"

جواب:

اوپر علی زئی غیر مقلد کی زبانی منقول ہو چکا کہ عطاء خراسانی ثقہ عند الجمہور ہے اس لیے بعض محدثین کا کلام مرجوح ہے۔ اس لئے جارح کی الگ الگ جرح کا جواب ضروری تو نہیں مگر اتماما للفائدۃ ہم مذکورہ بالا اقوال کا الگ سے جائزہ لیتے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اگر انہیں شیعہ کہا بھی ہو تو یہ اعتراف غیر مقلدین راوی کا شیعہ وغیرہ بدعتی ہونا اس کے ثقہ ہونے کے منافی نہیں۔

شیخ محمد ابراہیم بن بشیر الحسینوی غیر مقلد نے ''راوی کا بدعتی ہونا عدالت کے منافی نہیں'' عنوان قائم کر کے لکھا:

''راوی میں اصل عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلا مرجئ، شیعی اور قدری وغیرہ ہونا مضر نہیں... امام ذہبی ابان بن تغلب کے ترجمہ میں کہا: ''فلنا صدقه وعليه بدعته'' ہم اس کی سچی روایات لیتے ہیں اور اس کی بدعت اس پر چھوڑ دیتے ہیں۔''

(جرح وتعدیل کے اصول وضوابط صفحہ ۴۴، ناشر: دار ابن بشیر للنشر و التوزیع)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے ''مسلکی تفاوت صحتِ حدیث کے خلاف نہیں'' عنوان قائم کر کے لکھا:

''جس راوی کا ثقہ و صدوق ہونا ثابت ہو جائے، اس کا قدری، خارجی، شیعی، معتزلی، جہمی اور مرجی وغیرہ ہونا صحت حدیث کے خلاف نہیں ہے۔''

(نور العینین صفحہ ۶۳)

غیر مقلدین کی کتاب میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کی کتاب ''میزان الاعتدال: ۱/۶'' سے منقول ہے:

''ان البدعة على ضربين : فبدعة صغرى، كغلو التشيع او كالتشيع بلا غلو ولا تحرق، فهذا كثير في التابعين و اتباعهم، مع الدين والورع والصدق فلو رد حديث هؤلاء لذهب جملة من الاثار النبوية وهذه مفسدة بينة۔''

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۱۴۹)

ترجمہ: بدعت کی دو قسمیں ہیں ایک بدعتِ صغریٰ جیسے تشیع میں غلو ہونا یا بغیر غلو اور

بغیر جلا بھلا شیعہ ہونا۔ ایسے راوی تابعین اور تبع تابعین میں بہت سے ہیں باوجود اس کے وہ دین، ورع اور صداقت والے ہیں۔ پس اگر ان راویوں کی حدیث کو رد کر دیا جائے تو احادیث نبویہ کا ایک مجموعہ ضائع ہو جائے گا اور یہ واضح فساد ہے۔

مولانا محمد حسین میمن غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جہاں تک بات ہے ابو معاویہ کے مرجیہ ہونے کی تو اس اعتبار سے حدیث کی صحت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ کیوں کہ اگر کسی محدث پر مرجی، قدری اور شیعہ وغیرہ ہونے کا الزام ہو اور وہ اس عقیدہ کی طرف داعی نہ ہو تو اس کی روایت قابلِ قبول ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیحین میں بھی اس طرح کے رواۃ موجود ہیں۔“

(احادیثِ متعارضہ اور اُن کا حل صفحہ ۷۴، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”پھر رافضی ہو یا کوئی اور بدعتی راوی ہو جب وہ صادق ہو تو اس کے متعلق خود خطیب کا جو موقف ہے وہ ان کی مشہور کتاب ”الکفایۃ“ (ص ۱۲۴، ۱۲۵) میں دیکھا جا سکتا ہے۔ جس میں بدعتی سے روایت لینے میں انہوں نے یہاں تک فرمایا ہے کہ: واحتجوا باخبارھم فصار ذلك كالاجماع منهم ”محدثین نے ان کی روایات سے استدلال کیا ہے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ اس پر ان کا اجماع ہے۔“

(تنقیح الکلام صفحہ ۷۳)

امام ابن حبان رحمہ اللہ عطاء خراسانی کو ضعیف کہا۔ اس کے تین جواب ہیں:

۱۔ اوپر شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کا اعتراف منقول ہے کہ عطاء خراسانی جمہور محدثین کے ہاں ثقہ ہیں۔ اور غیر مقلدین یہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ جمہور کی توثیق کے بعد بعض کی تضعیف مرجوح ہوتی ہے۔

۲۔ غیر مقلدین کو اعتراف ہے کہ جرح غیر مفسر اور غیر مبین السبب معتبر نہیں ہوتی۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے عبد الاعلیٰ کے متعلق لکھا:

”ابن سعد کاتب الواقدی نے اس پر جرح کی جس کو حافظ ابن حجر نے مردود قرار دیتے

ہوئے کہا: هذا جرح مردود غير مبين السبب ... یہ جرح مردود ہے، غیر واضح ہے۔"

(نور العینین صفحہ ۹۴)

یہاں علی زئی صاحب نے "ہدی الساری صفحہ 415" کا حوالہ دیا ہے۔

مولانا ابو القاسم سیف بنارسی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"وہ جرح مقبول ہوتی ہے، جو مفسر اور اس میں جرح کے کل اسباب مبین ہوں، ابی کی جرح میں یہ امر بالکل مفقود ہے، لہٰذا در حقیقت یہ جرح جرح نہیں ہے، اس لئے نامقبول ہے۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۴۳۸)

سیف بنارسی صاحب نے امام دار قطنی رحمہ اللہ کے قول "تكلموا فيه" کے متعلق لکھا:

"دار قطنی کا یہ قول محدثین کے نزدیک ان کے اصول کے مطابق غیر مقبول ہے، حافظ ابن حجر ہدی الساری میں لکھتے ہیں: وقال الدارقطني (الى قوله) هذا تليين مبهم لا يقبل یعنی دار قطنی کا یہ قول تلیین (تضعیف) مبہم ہے، لہٰذا غیر مقبول!"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۴۹۳)

سیف بنارسی صاحب لکھتے ہیں:

"آپ نے یہاں دو جرحیں نقل کیں ہیں، ایک ابن حزم کی، دوسرے امام بخاری کی، اور لطف یہ کہ وجہ تضعیف کسی کی بھی بیان نہیں کی۔"

(دفاع صحیح بخاری صفحہ ۶۵۵)

مولانا محمد حسین میمن غیر مقلد نے راوی پر جرح کو رَد کرتے ہوئے لکھا:

"یہاں منکرین حدیث ابو معاویہ پر جرح کر رہے ہیں وہ بھی غیر مفسر ہے۔"

(احادیثِ متعارضہ اور اُن کا حل صفحہ ۷۳، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن)

میمن صاحب نے آگے لکھا:

"ابو معاویہ پر کی جانے والی جرح غیر مفسر ہے۔"

(احادیثِ متعارضہ اور اُن کا حل صفحہ ۷۴، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن)

میمن صاحب مزید لکھتے ہیں:

”قارئین کرام! ہم یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ اگر کسی حدیث کے راوی کو رَد کیا جائے، اس پر جرح کی جائے تو جرح مفسر ہونی چاہیے۔ لیکن یہ بات شاید منکرین حدیث کے علم میں نہیں ہے۔ ابراہیم بن منذر پر جو جرح نقل کی گئی ہے وہ غیر مفسر ہے۔“

(احادیثِ متعارضہ اور اُن کا حل صفحہ ۸۴، ادارہ تحفظ حدیث فاؤنڈیشن)

شیخ عزیز یونس السلفی المدنی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”جرح کے بارے میں جمہور علماء کا راجح موقف یہی ہے کہ کسی راوی کے بارے میں یہ اسی وقت قابل قبول ہوگی جب جرح مفسر ہوگی۔ اگر کسی راوی پر جرح کی جائے اور اس کا سبب یا تفصیل نہ بیان کی جائے تو وہ جرح قبول نہیں ہوگی کیوں کہ جرح کے اسباب اہلِ علم کے ہاں مختلف ہیں اور بسا اوقات ایک عالم کسی چیز کو جرح کا سبب سمجھتا ہے تو دوسرے کے نزدیک وہ چیز جرح کا سبب نہیں ہوتی۔“

(اصول التخریج صفحہ ۲۲۰، نظر ثانی: حافظ محمود احمد تبسم، مکتبہ دار التوحید الاسلامیۃ)

غیر مقلدین کے مذکورہ بالا حوالہ جات کے پیش نظر ہم کہتے ہیں کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ کا عطاء خراسانی کو ضعیف کہنا جرح مفسر اور مبین السبب نہیں، اس لئے اس کا اعتبار نہیں۔

یہاں ایک بات مزید پڑھتے چلیں کہ مولانا محمد حنیف منجاکوٹی غیر مقلد کی تصریح کے مطابق ”جرح مبہم“ قبول کرنا تقلید ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

”اگر ہم ہر قسم کی جرح قبول کرتے تو پھر اسے تقلید کہا جاسکتا ہے لیکن محدث کی کسی راوی کے بارے میں جرح مبہم کو ہم قبول نہیں کرتے جب تک اس کے ضعف کی وجہ بیان نہ کرے۔“

(مرد وزن کی نماز میں فرق؟ صفحہ ۳۳، طبع توحید پبلی کیشنز بنگلور)

۳۔ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ امام ابن حبان رحمہ اللہ جرح میں متشدد ہیں اور متشدد کی جرح معتبر نہیں ہوتی۔

مولانا عبد الرحمن مبارک پوری لکھتے ہیں:

”واما قول ابن حبان المذکور فغیر قادح فانه متعنت و مسرف بالجرح۔“

(ابکار المنن صفحہ ۲۳۶)

ترجمہ: اور امام ابن حبان کا مذکورہ قول قابلِ قدح نہیں ہے کیوں کہ وہ متعنت (متشدد) ہیں، اور جرح میں حد سے زیادہ تجاوز کرنے والے ہیں۔

مولانا محمد گوندلوی نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا:

"ابن حبان ربما جرح الثقة حتی کان لایدری مایخرج من راسہ۔"

(التحقیق الراسخ صفحہ ۷۹)

ترجمہ: ابن حبان بسا اوقات ثقہ راوی پر جرح کر دیتے ہیں یہاں تک کہ گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ اس (ثقہ راوی) کے سر سے کیا نکالنا چاہتے ہیں۔

مولانا محمد ارشاد الحق اثری لکھتے ہیں:

"امام ابن حبان جرح میں متشدد ہیں۔"

(توضیح الکلام: ۱/۴۷۴)

اثری صاحب نے مزید لکھا:

"امام ابن حبان کا تشدد معروف ہے۔"

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۴۸۰)

تنبیہ: امام ابن حبان رحمہ اللہ کے متشدد ہونے پر غیر مقلدین کے مذکورہ حوالے حضرت مولانا حافظ محمد ظہور احمد الحسینی حفظہ اللہ کی کتاب "تلامذۃ امام اعظم ابو حنیفہ کا محدثانہ مقام" (صفحہ ۳۹۷،۳۹۶) سے منقول ہیں۔

شیخ کفایت اللہ سنابلی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جرح و تعدیل میں تعارض کے وقت اگر جرح متشددین کی طرف سے ہو تو وہ رد کر دی جاتی ہے۔"

(انوار البدر صفحہ ۴۴۵)

عطاء خراسانی کی بابت امام ابن حبان رحمہ اللہ کی تضعیف کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نقل کر کے لکھا:

"فَهٰذَا الْقَوْلُ مِنِ ابْنِ حِبَّانَ فِيْهِ نَظَرٌ۔"

(میزان: ۲/۱۹۹)

"یعنی ابن حبان کے اس قول میں اعتراض ہے۔"

سعید بن المسیب کی جانب سے عطاء خراسانی کو جھوٹا کہنے کی حقیقت بھی جان لیں۔ اس کا مدار ایک حکایت پہ ہے۔ مولانا حبیب الرحمن اعظمی صاحب لکھتے ہیں:

"عقیلی نے عطاء کو ضعفاء میں صرف سعید بن المسیب کی حکایت کی وجہ سے شمار کیا ہے وہ حکایت آگے آئے گی اور وہیں معلوم ہو جائے گا کہ اس حکایت کی وجہ سے عطاء کی تضعیف جائز نہیں ہو سکتی۔"

(الاعلام المرفوعۃ صفحہ ۱۶)

اعظمی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"سعید بن المسیب کی حکایت یہ ہے، کسی نے سعید سے کہا کہ عطاء کہتے ہیں کہ مجھ سے سعید بن المسیب نے فلاں حدیث یوں بیان کی۔ سعید نے کہا کذب عطاء یعنی عطاء نے غلط کہا۔ میں نے ان سے یوں نہیں بیان کیا بلکہ یوں بیان کیا ہے۔ آپ خود غور کیجئے کہ اس حکایت کی بناء پر عطاء کی تضعیف کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔ ابھی ابھی حافظ ذہبی کی زبانی آپ سن چکے ہیں کہ کوئی ثقہ راوی ایسا نہیں ہے جس سے غلطی نہ ہو جاتی ہو۔ ہاں یہ بات سمجھنے کی ہے کہ سعید بن مسیب کے قول "کذب عطاء میں کذب بمعنی نسیبا غلط ہے، اس لئے کہ اہلِ مدینہ میں یہ محاورہ بہت شائع و ذائع تھا۔ (مقدمہ فتح الباری) نیز سعید بن مسیب جیسے جلیل القدر تابعی اور امام فقہ و حدیث سے نہایت مستعبد ہے کہ غلطی و نسیان کا احتمال ہوتے ہوئے کسی عالم کو جھوٹا کہہ دیں۔"

(الاعلام المرفوعۃ صفحہ ۱۷)

خطاء پر کذب کا اطلاق ہونا دیگر بھی کئی علماء نے بیان کیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔ (مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۸۰، وفتح الباری: ۱۱/۸)

علامہ فتنی رحمہ اللہ۔ (مجمع بحار الانوار: ۳۹۰/۴)

علامہ ابن الاثیر جزری رحمہ اللہ۔ (النھایۃ: ۱۵۹/۴)

علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ۔ (الاستذکار: ۱۲/۴)

مذکورہ بالا کتب کی عبارات حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی کتاب ”رکعات تراویح، ایک تحقیقی جائزہ“ میں منقول ہیں۔

غیر مقلدین بھی کذب کو خطاء پر محمول کیا کرتے ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

”امام ابو داود رحمہ اللہ کے قول ”کذاب“ سے عرفی معنی میں کذاب مراد نہیں، بلکہ اس (کذب) سے غلطی اور خطاء مراد ہے، جیسا کہ امام ابن الوزیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ان لفظة کذاب قد یطلقها کثیر... فی الجرح علی من یهم و یخطئ فی حدیثه ۔ (الروض الباسم: ۲۸/۱) اور اہلِ حجاز میں یہ امر معروف تھا کہ وہ خطاء پر کذب کا اطلاق کر دیا کرتے تھے۔ دیکھیں الثقات لابن حبان (۱۱۴/۶) نیز امام صنعانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ولا یغرنك قول المحدثین فلان کذاب، قد یطلقون ذلك علی من یکذب مخطئا لا متعمدا لان الحقیقة اللغویة لمسمی الکذب تقتضی انه کذاب الخ توضیح الافکار: ۳۴۸/۲“

(حاشیہ: دفاع صحیح بخاری صفحہ ۴۷۴، ناشر: ام القری پبلی کیشینز گوجرانوالہ، طبع اول: ستمبر ۲۰۰۹ء)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

”اہلِ حجاز کے علاوہ دوسرے بھی کذب کو خطاء کے معنٰی میں استعمال کرتے تھے۔“

(تنقیح الکلام صفحہ ۲۴۶، ناشر: ادارۃ العلوم الاثریہ فیصل آباد، تاریخِ اشاعت: ستمبر ۲۰۰۴)

اثری صاحب نے لکھا:

”مزید عرض ہے کہ علامہ ذہبی لکھتے ہیں: فاما قول الشعبی الحارث کذابا فمحول علی انه عنی بالکذب الخطاء الخ۔ (السیر: ۱۵۳/۴) رہا امام شعبیؒ کا قول کہ حارث کذاب ہے تو یہ اس پر محمول ہے کہ انہوں نے کذب سے خطا مراد لی ہے... مزید عرض ہے کہ ”کذاب“ کا لفظ کبھی راوی کی بدعت کی طرف اشارہ بھی ہوتا ہے جیسا کہ امام یحی قطانؒ نے عبد المجید بن عبد العزیز کو کذاب کہا ہے۔“

(حوالہ مذکورہ صفحہ ۲۴۶)

اثری صاحب نے اپنی کتاب "توضیح الکلام: ۱/ ۲۴۰" میں بھی کذب کو خطاء میں قرار دیا ہے۔

اس حدیث کی سند پر کئے گئے سب اعتراضات کا ہم نے اصولی اور خود غیر مقلدین کے مسلمات کی روشنی میں جواب عرض کر دیا ہے جس سے ثابت ہو گیا کہ ان اعتراضات میں کوئی جان نہیں اس لئے اس حدیث سے استدلال کرنا درست ہے۔

حافظ عبد اللہ روپڑی غیر مقلد تو جرح کا تھوڑا سا جواب مل جانے کو کافی سمجھتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

"یہ چیز اصولِ حدیث میں مسلّم ہے کہ جس جرح کا تھوڑا بہت جواب ہو سکے۔ اس سے حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی جیسے مسلم کی دوسرے درجہ کی احادیث جو تائیداً لاتے ہیں۔"

(مودودیت اور احادیثِ نبویہ صفحہ ۳۲)

یہاں ایک اور زاویہ سے بھی دیکھ لیں۔ علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جب مدینہ کے عالم کوئی حدیث روایت کریں اور اس پر عمل کریں تو وہی حدیث سب سے زیادہ صحیح ہو گی۔"

(تیسیر الباری: ۷/ ۱۹۴، تاج کمپنی)

گویا اہلِ مدینہ کے عمل سے حدیث کی صحت میں اضافہ ہوا۔ مسئلہ تین طلاق والی حدیث پہ نہ صرف یہ کہ اہلِ مدینہ کا عمل ہے بلکہ تمام شہروں کے علماء، فقہاء اور محدثین کا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد البر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"فَهٰؤُلَاءِ الصَّحَابَةُ كُلُّهُمْ قَائِلُوْنَ وَابْنُ عَبَّاسٍ مَّعَهُمْ بِخِلَافِ مَا رَوَاهُ طَاؤسٌ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَلٰى ذٰلِكَ جَمَاعَاتُ التَّابِعِيْنَ وَاَئِمَّةُ الْفَتْوٰى فِيْ اَمْصَارِ الْمُسْلِمِيْنَ۔"

(الاستذکار: ۶/ ۸)

ترجمہ: ابن عباس سمیت تمام صحابہ اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کا موقف رکھتے ہیں صرف طاؤس نے ابن عباس سے اس کے خلاف روایت کیا۔ صحابہ کے مذہب پر تابعین کی جماعتیں اور بلادِ مسلمین کا ائمہ فتوی قائم ہیں۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے دوسرے پہلو کی بابت لکھا:

"وَرِوَايَةُ طَاؤُسٍ وَهْمٌ وَغَلَطٌ لَمْ يُعَرِّجْ عَلَيْهِمَا اَحَدٌ مِّنْ فُقَهَاءِ الْاَمْصَارِ بِالْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ وَالْمَغْرِبِ وَالْمَشْرِقِ وَالشَّامِ۔

(الاستذکار:۶/۶)

طاؤس کی روایت وہم اور غلطی ہے حجاز، عراق، مغرب، مشرق اور شام کے فقہاء میں کسی ایک نے بھی اسے اختیار نہیں کیا۔

اَب غیر مقلدین ذرا غور کریں کہ تین طلاقوں کے تین ہونے والی حدیث کے مطابق دنیا بھر کے علماء، فقہاء اور محدثین کا نظریہ رہا ہے اور جس حدیث سے تین طلاقوں کے ایک ہونے کی بات لینے کا دعویٰ ہے اس پر مشرق و مغرب اور شام و حجاز کے فقہاء کا عمل نہیں۔ اس فرق کے باوجود تین کے ایک ہونے والی روایت کو قبول کر لینا اور تین کے تین ہونے والی حدیث کو رَد کر دینا کہاں تک انصاف ہے؟ جب کہ اس کے ساتھ غیر مقلدین کو یہ بھی تسلیم ہے کہ اگر کسی روایت میں ضعف ہو تو وہ تلقی بالقبول سے رفع ہو جاتا ہے۔

فتاویٰ علمائے حدیث میں لکھا ہے:

"ضعیف حدیث جب کہ قرون مشہود لھا بالخیر (خیر القرون) میں معمول بہ ہو وہ امت کے ہاں مقبول ہے۔"

(فتاویٰ علمائے حدیث:۷۶/۶)

مولانا محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد (سابق امیر جمعیت اہلِ حدیث) نے ابن ماجہ کی ایک روایت پیش کر کے لکھا:

"اس حدیث کی سند بالاتفاق ضعیف ہے لیکن اس زیادت کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز صفحہ ۱۲)

سلفی صاحب نے مزید لکھا:

"ابن ماجہ کی روایت کو ضُعف کے باوجود جمہور امت نے قبول فرمایا ہے۔"

(تحریک آزادیٔ فکر صفحہ ۴۳۴)

شیخ محمد صالح العثیمین نے شیخ البانی غیر مقلد کے کلام پر تعلیق کرتے ہوئے لکھا:

"شیخ البانی نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس اثر سے حجت پکڑی ہے اور ان کے

علاوہ بھی علمائے دین نے اسے تلقی بالقبول (قبولیت) کے شرف سے نوازا ہے اگرچہ اس کی سند کے بارے میں کچھ کلام کیا گیا ہے۔"

(حاشیہ فتنہ تکفیر صفحہ ۱۵)

کتاب "فتنہ تکفیر" التحذیر من فتنۃ التکفیر "کا اردو ترجمہ ہے۔

حاصل یہ کہ تلقی بالقبول کے والے اصول کے مطابق بھی زیر بحث حدیث مقبول حدیثوں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ اس لئے کہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے تین کے ایک ہونے کی روایت طاؤس کو تلقی بالرد ہوا اور تین کے تین ہونے کو دنیا بھر کے علماء وفقہاء مانتے ہیں۔ ہماری اسی کتاب (اجماع والے باب) میں خود غیر مقلدین کے حوالہ جات منقول ہیں کہ ایک مجلس کی تین طلاقوں کے تین ہونے پر امت کا اجماع ہے۔

زیر بحث حدیث کے متن پر اعتراضات کا جائزہ

زیر بحث حدیث کی سند پر اعتراضات کے بعد اَب ہم اس کے متن پر کئے گئے اعتراضات کا جائزہ لیتے ہیں وباللہ التوفیق۔

پہلا اعتراض:......فان طلقھا ثلاثاً **الفاظ عطاء خراسانی کی زیادتی ہے۔**

مولانا عبد الغفور غیر مقلد لکھتے ہیں:

"اس کے آخری حصہ میں فان طلقھا ثلاثا سے اکٹھی تین طلاق مراد لے لی ہیں حالاں کہ یہ الفاظ قابلِ حجت نہیں ہیں بلکہ عطا خراسانی کی زیادتی ہے۔"

(البیان المحکم صفحہ ۷۳)

جواب:

محدثین کا اصول ہے کہ زیادت ثقہ قبول ہوتی ہے۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے "احسن الکلام صفحہ ۲۴۲، ۲۴۱" میں محدثین کے متعدد حوالے نقل کر دیئے ہیں۔

خود غیر مقلدین نے بھی محدثین کے اس اصول کو اپنی کتابوں میں تسلیم کیا ہے۔

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے حدیثِ نبوی: اذا قرأ فانصتوا، جب امام قراءۃ کرے تو تم خاموش رہو" کی صحت پر ایک مستقل اور مفصل مضمون "صحیح مسلم کی ایک حدیث کا دفاع اور ثقہ راوی کی زیادت" لکھا جو اُن کی

کتاب ''علمی مقالات'' جلد دوم میں صفحہ ۲۲۹ سے ۲۶۵ تک پھیلا ہوا ہے۔ انہوں نے اس میں زیادتِ ثقہ کی قبولیت پر بہت سے محدثین کے حوالے نقل کئے ہیں۔

علی زئی صاحب نے ثقہ کی زیادت کے متعلق اپنا نظریہ یوں لکھا:

''ثقہ و صدوق راوی کی زیادت کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے مثلاً: ایک ثقہ و صدوق راوی کسی سند یا متن کچھ بیان کرتا ہے۔ فرض کریں یہ اضافہ ایک ہزار راوی بیان نہیں کرتے، تب بھی اسی اضافے کا اعتبار ہو گا اور اسے صحیح یا حسن سمجھا جائے گا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ فلاں فلاں راوی نے یہ الفاظ بیان نہیں کئے، مخالفت کی ہے، مردود ہے۔''

(علمی مقالات:۲/۱۱۱)

علی زئی صاحب کی بعینہ یہی عبارت ''ماہنامہ الحدیث، شمارہ:۳۴''... اور... ''اشاعۃ الحدیث حضرو، بیاد شیخ زبیر علی زئی صفحہ ۱۱۵''میں بھی ہے۔

علی زئی نے لکھا:

''محمد بن یحی الصفار (راوی) کے زبردست تفرد والی اس روایت کے بارے میں مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ علانیہ لکھتے ہیں:''الغرض اس حدیث پر اعتراضات کی تمام شقیں باطل ہیں۔ امام بیہقی اور علامہ سیوطی اور علامہ متقی حنفیہ کا فیصلہ ہی صحیح ہے کہ اس کی سند بالکل صحیح ہے اور یہ زیادت متعدد طرق سے مروی ہے اور صحیح ہے۔''(توضیح الکلام جدید ص ۳۶۰) معلوم ہوا کہ بہت سے ثقہ راوی اگر کوئی زیادت متن میں ذِکر نہ کریں اور صرف ایک (ثقہ و صدوق) راوی وہ زیادت ذِکر کرے تو مولانا اثری اور امام بیہقی کے نزدیک وہ سند صحیح ہوتی ہے۔ والحمد للہ۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں مگر خبیب صاحب [غیر مقلد اور مولانا عبد الغفور وغیرہ دیگر کئی غیر مقلدین(ناقل)]اس کی بالکل مخالف سمت پر تیزی سے رواں دواں ہیں۔''

(علمی مقالات:۲/۲۵۱)

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے حدیثِ نبوی ''اذا قرأ فانصتوا۔جب امام قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔''زیادت کو شاذ قرار دے کر رَد کیا تو علی زئی صاحب نے اس کا جواب دیتے ہوئے یہ بھی لکھا:

’’اگر ثقہ کی سند اور متن میں زیادت کو شاذ قرار دیا جائے تو بہت سی صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔‘‘

(فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الاحکام: ۲/۲۹۵)

ابو محمد خرم شہزاد غیر مقلد لکھتے ہیں:

’’امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور زیادت (ثقہ کا متن یا سند یعنی موقوف کو مرفوع بیان کرنا) مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ (اس کی عدالت و ثقاہت) ثابت ہو جائے۔ مزید امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض نے (جو الفاظ زیادہ سنے تھے یا زیادہ عمل دیکھا تھا) بعض پر (روایت میں) اضافہ کر دیا۔ اور اہلِ علم (محدثین) کے نزدیک (ثقہ کی) زیادت مقبول ہوتی ہے۔‘‘

(اصولِ حدیث واصول تخریج صفحہ ۲۶۹، مکتبۃ التحقیق والتخریج، اشاعتِ اول: اپریل/۲۰۱۷ء)

مولانا عبد المنان راسخ غیر مقلد نے لکھا:

’’یہ صحیحین کی روایت میں زیادہ ہے اور زیادۃ ثقۃ مقبولۃ کے تحت اسے قبول کیا جائے گا اور اسے ہی ترجیح حاصل ہو گی۔‘‘

(فوائد: سنن دارمی مترجم: ۲/۱۹۵، تحت حدیث ۲۳۰۹، انصار السنۃ پبلی کیشنز لاہور)

غیر مقلدین کے امام علامہ وحید الزمان لکھتے ہیں:

’’بلالؓ کی حدیث میں ایک زیادتی تھی اور اس کے راوی ثقہ ہیں، اس لئے وہ قبول کی گئی اصول حدیث میں یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ثقہ اور ضابط شخص کی زیادتی مقبول ہے۔‘‘

(تیسیر الباری: ۲/۴۱۲، تحت: حدیث: ۵۶۰، کتاب الزکوۃ، باب العشر فیما یسقی من ماء السماء، تاج کمپنی)

علامہ صاحب نے اسی صفحہ میں آگے لکھا:

’’یہ زیادتی ہے اور زیادتی ثقہ اور معتبر راوی کی مقبول ہے۔‘‘

(حوالہ مذکورہ)

حاصل یہ کہ غیر مقلدین کی طرف سے اس زیادت کو رَد کرنا درست نہیں۔ اور علی زئی صاحب کے بقول ثقہ کی زیادت کو رَد کرنے سے بہت سی صحیح احادیث کا انکار لازم آتا ہے۔

دوسرا اعتراض: صحیح روایت میں باقی دو طلاقوں کا ذِکر نہیں۔

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"صحیح روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ کی طلاق حیض میں شمار کی گئی لیکن اس میں باقی دو دینے کا ذِکر نہیں ہے۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۳۷)

جواب:

۱۔ حکیم صاحب کو تسلیم ہے کہ صحیح روایت کے مطابق حالتِ حیض میں دی گئی طلاق کو شمار کیا گیا۔ جب کہ غیر مقلدین کا ایک گروہ حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق کو واقع نہیں مانتا۔ اس فریق کی رائے "صحیح روایت میں ہے کہ ابن عمرؓ کی طلاق حیض میں شمار کی گئی۔" کے خلاف ہے۔ حالتِ حیض میں دی گئی طلاق کو غیر واقع کہنے والے غیر مقلدین کے حوالہ جات آئندہ صفحات میں منقول ہوں گے ان شاءاللہ۔

مزید یہ کہ ایک سے زائد غیر مقلدین نے دعوی کیا ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ حیض میں تین طلاقیں دی تھیں تو انہیں رجوع کا حکم ہوا۔ (نکاح محمدی صفحہ ۱۰۳، تالیف مولانا محمد جوناگڑھی، ناشر اہل حدیث اکیڈمی مؤناتھ بھنجن یوپی... ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۳، مولانا عبد الرحمن کیلانی)

جوناگڑھی اور کیلانی وغیرہ غیر مقلدین کی بات بھی حکیم صاحب کی بیان کردہ صحیح حدیث کے مخالف ہے۔

۲۔ حدیثیں دو طرح کی ہیں۔ ایک یہ کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے حالتِ حیض میں ایک طلاق دی جسے شمار کیا گیا۔

دوسری زیر بحث حدیث "لَوْ اَنِّیْ طَلَّقْتُھَا ثَلَاثًا کَانَ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَھَا قَالَ لَا" ہے۔ یعنی سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو میرے لئے رجوع جائز ہوتا؟ آپ نے فرمایا: نہیں۔

پہلے مضمون کی حدیث میں تو ایک طلاق دینے اور واقع ہونے کی بات ہے۔ مگر دوسرے مضمون کی جو حدیث ہے اس کے مطابق سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقیں دی نہیں تھیں صرف پوچھا تھا کہ اگر میں تین

طلاقیں دے دیتا تو رجوع کا حق ہوتا؟ جواب ملا: نہیں۔ یعنی ایسا نہیں کہ ایک حدیث میں یہ ہے کہ ابن عمر نے حالتِ حیض میں ایک طلاق دی تھی اور دوسری میں یوں مذکور ہو کہ حالتِ حیض میں تین طلاقیں دی تھیں۔

حاصل یہ کہ دو الگ الگ حدیثیں ہیں ایک میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کے طلاق دے چکنے کی بات ہے اور دوسری میں طلاق دے چکنے کی بجائے مسئلہ پوچھنے کی بات ہے کہ اگر میں تین طلاقیں دے دیتا تو کیا حکم ہوتا؟ پہلی کو اصل بنا کر دوسری کو رَد کر دینا غلط فیصلہ ہے۔

۳۔ حکیم صاحب کہتے ہیں:

"اس میں باقی دو دینے کا ذِکر نہیں ہے۔"

حکیم صاحب اس کا جواب اپنی جماعت کے "محدث العصر" شیخ زبیر علی زئی کی زبانی ملاحظہ فرمائیں وہ لکھتے ہیں:

"عدمِ ذکر نفی ذِکر کی دلیل نہیں ہوتا۔"

(نور العینین صفحہ ۹۵)

علی زئی صاحب نے مزید لکھا:

"ہم شروع میں واضح کر آئے ہیں کہ (ثبوت ذِکر کے بعد) عدم ذکر سے نفی ذِکر لازم نہیں، لہٰذا یہ استدلال بالکیہ مردود ہے۔"

(نور العینین صفحہ ۱۵۵)

ایک صاحب نے لکھا:

"عدم ذکر یا عدم علم سے عدم شئ لازم نہیں آتی۔"

(تذکرۃ المناظرین صفحہ ۳۶۵، دار النوادر اردو بازار لاہور، مرتبہ: مولانا مقتدی اثری استاذ جامعہ اثریہ دار الحدیث مئو)

تیسرا اعتراض: اس میں اکٹھی تین طلاقوں کا ذِکر نہیں۔

مفتی عبید اللہ عفیف خان غیر مقلد لکھے ہیں:

"لَوکُنْتُ طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا كَانَ يَحِلُّ لِیْ اَنْ اُرَاجِعَهَا قَالَ كَانَتْ تَبِيْنُ ۔ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ ایک مجلس میں تین طلاق دینے سے طلاق مغلظ پڑ جاتی ہے۔ جواب... اس ٹکڑے سے

استدلال درست نہیں: کیوں کہ یہ ٹکڑا اس مفہوم میں صریح نہیں۔ کیوں کہ "طَلَّقْتُهَا ثَلَاثًا" کا مفہوم تین بار طلاق بھی ہو سکتا ہے۔"

(فتاویٰ محمدیہ صفحہ ۷۷۴)

حکیم صفدر عثمانی غیر مقلد نے زیر بحث کے متعلق لکھا:

"اس میں اکٹھی تین طلاق دینے کا ایک حرف بھی نہیں ہے۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۳۷)

جواب:

اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ تین طلاقیں دینے کی صورت میں گناہ ہوتا۔ اور ہم اہلِ سنت احناف اور غیر مقلدین دونوں فریقوں کا اتفاقی مسئلہ ہے کہ گناہ اکٹھی تین طلاقیں دینے کی صورت میں ہے، نہ کہ الگ الگ۔ اس لئے یہ کہنا بجا ہے کہ اس میں اکٹھی تین طلاقوں کی بات ہے۔ مزید یہ کہ ایک سے زائد غیر مقلدین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس میں اکٹھی تین طلاقوں کی بات ہے۔

چنانچہ مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"یہ اثر اگر صحیح ثابت ہو جاتا تو قطع نزاع کے کام آسکتا تھا۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۳)

یعنی کیلانی صاحب کو تسلیم ہے کہ اس حدیث میں اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ بیان ہوا۔

مولانا عبد الغفور غیر مقلد لکھتے ہیں:

"متن میں جو الفاظ ہیں لو طلقتها الخ یہ عطاء خراسانی کی زیادتی ہے... وہ زیادت جو محل حجت ہے اس میں عطاء متفرد ہے۔"

(البیان المحکم صفحہ ۷۲)

لو طلقتها الخ کو محل حجت تسلیم کیا ہے۔ انہوں نے اس پہ تفرد کا اعتراض تو کیا جس کا جواب پہلے دیا جا چکا مگر یہ نہیں کہا کہ یہ حدیث اکٹھی تین طلاقوں کے وقوع کی دلیل نہیں بلکہ "لو طلقتها الخ کی زیادت محل حجت ہے" لکھ کر تسلیم کیا کہ اس حدیث میں مجلس واحد کی تین طلاقوں کی بات ہے۔

حاصل یہ کہ عفیف صاحب اور حکیم صاحب کا یہ کہنا کہ اس حدیث میں اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ مذکور نہیں، خلاف واقعہ ہے۔

چوتھا اعتراض: یہ حدیث دوسری حدیث کے معارض ہے۔

مولانا عبد الرحمن کیلانی غیر مقلد نے زیر بحث حدیث پہ تبصرہ کرتے ہوا لکھا:

"اَب اس اثر کے بالکل برعکس ایک روایت تفسیر قرطبی میں یوں ہے کہ: عبد اللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو ایک مجلس تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور یہ تین طلاقیں ایک طلاق شمار ہوئی۔"

(ایک مجلس کی تین طلاقیں اور اُن کا شرعی حل صفحہ ۶۳، مولانا عبد الرحمن کیلانی)

جواب:

کیلانی صاحب کی پیش کردہ روایت ضعیف ہے، اسے مولانا رئیس محمد ندوی غیر مقلد ضعیف کہا ہے۔

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۳۷۸)

اور مولانا داود ارشد غیر مقلد نے کہا کہ یہ روایت ضعیف ہونے کے ساتھ ساتھ صحیح حدیثوں کے خلاف بھی ہے۔(دین الحق:۲/ ۶۶۶، مکتبہ غزنویہ لاہور، تاریخ اشاعت: دسمبر ۲۰۰۱ء)

مزید تفصیل کے لئے ہماری اسی کتاب کے باب:۱۵، غیر مقلدین کے چند مزید شبہات کا ازالہ"کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

حاصل یہ کہ کیلانی صاحب کا اس ضعیف روایت کو پیش کرکے اپنا مطلب نکالنا اور صحیح حدیث کو رَد کرنا کسی طرح بھی درست نہیں۔

نویں حدیث

سیدنا نافع رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"كَانَ ابْنُ عُمَرَ إِذَا سُئِلَ عَمَّنْ طَلَّقَ ثَلَاثًا قَالَ طَلَّقْتَ مَرَّةً أَوْ مَرَّتَيْنِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِيْ بِهٰذَا فَإِنْ طَلَّقْتَ ثَلَاثًا حَرُمَتْ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ"

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی

بیوی کو تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ فرماتے اگر تم ایک یا دو طلاقیں دیتے تو تمہیں رجوع کا حق ہوتا کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسی کا حکم دیا تھا لہٰذا جب تو نے تین طلاقیں دے دیں تو اب وہ عورت تجھ پر حرام ہو گئی یہاں تک کہ وہ تیرے سوا کسی اور سے نکاح کرے۔

(بخاری:۲/ ۷۹۲)

دسویں حدیث:

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے جب اسی قسم کے مسئلہ کے بارے میں سوال کیا جاتا تو وہ

قَالَ لِاَحَدِهِمْ اَمَّا اَنْتَ طَلَّقْتَ امْرَأَتَكَ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِيْ بِهٰذَا وَاِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ وَعَصَيْتَ اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ امْرَأَتِكَ۔

(مسلم:۱/ ۴۷۶ واللفظ لہ بخاری:۲/ ۸۰۳ وسنن الکبریٰ:۷/ ۳۳۱)

ان سے فرماتے اگر تم نے اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاقیں دی ہیں تو بے شک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس صورت میں) مجھے رجوع کا حکم دیا تھا اور اگر تم نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی ہیں تو یقیناً وہ تم پر حرام ہو گئی ہے جب تک کہ وہ تیرے بغیر کسی اور مرد سے نکاح نہ کرلے اور اس طرح تو نے اپنی بیوی کو طلاق دینے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی بھی کی ہے۔

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ مذکورہ حدیث درج کر کے لکھتے ہیں:

"اس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ تین طلاقوں کے بعد کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی اور عورت اپنے خاوند پر حرام ہو جاتی ہے اور اس سے یہ بھی معلوم کہ ایک اور دو طلاق کے بعد رجوع کرنے کا حکم تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن تین طلاقوں کے بعد رجوع کرنے کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں ورنہ حضرت ابن عمرؓ اس کا حوالہ دیتے اور اس کے خلاف فتویٰ دینے کی ہرگز جرأت نہ کرتے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اس شخص نے دفعۃً تین طلاقیں دے دی تھیں اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ یہ نہ فرماتے کہ تو نے طلاق کے سلسلہ میں اپنے رب کی نافرمانی کی ہے کیوں کہ ہر طہر پر ایک ایک طلاق دینے سے تعمیل حکم

ہوتی ہے، نہ کہ رب کی نافرمانی جیسا کہ ظاہر ہے۔"

(عمدۃ الاثاث صفحہ ٦٦)

اعتراض: اس میں اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ نہیں۔

حکیم محمد صفدر عثمانی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ابن عمرؓ کا نافرمانی والا فتوی بھی طلاق حیض کے متعلق ہے کہ پہلی اور دوسری کے بعد تو رجوع ہو سکتا ہے البتہ تیسری کے بعد رجوع بھی نہ ہو گا اور حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے نافرمانی بھی ہو گی۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۴۲)

حکیم صاحب کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ رب کی نافرمانی حالتِ حیض میں طلاق دینے کی وجہ سے ہے، نہ کہ اکٹھی تین طلاقیں دینے سے۔ لہذا اس سے اکٹھی تین طلاقوں کا مسئلہ لینا غلط ہوا۔

جواب:

حکیم صاحب کی بیان کردہ یہ تاویل غیر مقلدین کو دو وجہ سے مفید نہیں۔

(ا) حدیث میں یہ الفاظ ہیں تین طلاقیں دینا رب کی نافرمانی ہے، اس حدیث میں یہ الفاظ نہیں کہ تیرا حالت حیض میں طلاق دینا رب کی نافرمانی ہے۔ اگرچہ حالت حیض میں طلاق دینے کی ممانعت دوسری حدیثوں سے ثابت ہے مگر یہاں نافرمانی کی نسبت تین طلاقیں دینے کی طرف ہے۔ مزید یہ کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھنے والے نے تو حالتِ حیض میں طلاق دینے کا ذِکر ہی نہیں کیا۔

نیز جس طرح حالتِ حیض میں طلاق دنیا ممنوع ہے، اسی طرح بہ اعتراف آلِ غیر مقلدیت اکٹھی تین طلاقیں دینا بھی منع ہے۔ تو سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ کا قول "آپ نے اپنے رب کی نافرمانی کی" اکٹھی تین طلاقیں دینے والے کو شامل کیوں نہیں؟ اس کے خارج کرنے کی تمہارے پاس دلیل کیا ہے؟

غیر مقلدین کے بزرگ مولانا عبد التواب ملتانی نے مذکورہ بالا دونوں ممنوع طلاقوں کو اِس جملہ کا مصداق قرار دیا۔ چنانچہ وہ حدیث میں مذکور "اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرنانی کی ہے۔" کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

"یعنی سورہ طلاق میں کہ فرمایا فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ الآیۃ جو بتلاتی ہے کہ عورت کو ہر ایک پاکی کے

ایام میں ایک طلاق جماع سے پہلے دی جاوے اور تو نے طلاق دے دی حیض میں اور یکجا تین۔"

(شرح بلوغ المرام اردو صفحہ ۳۴۷، فاروقی کتب خانہ ملتان، سن اشاعت: ۱۹۷۹ء)

ملتانی صاحب نے تسلیم کر لیا کہ اللہ کی نافرمانی میں "یک جا تین طلاقیں" دینا بھی ہے۔

یہاں ایک اور بات کی طرف بھی توجہ کریں۔ حالتِ حیض میں طلاق دینا اور اکٹھی تین طلاقیں دینا دونوں از روئے حدیث ممنوع اور گناہ ہیں مگر جتنا عتاب اکٹھی تین طلاقیں دینے پر ثابت ہے، اتنا حالتِ حیض میں طلاق دینے پر نہیں۔ حدیث میں ہے کہ کسی آدمی نے اکٹھی تین طلاقیں دیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غضب ناک ہوئے کہ ایک بندہ کہنے لگا کہ مجھے اجازت دیں کہ میں اس بندہ کو قتل کر دوں۔ (نسائی)

جب کہ میری معلومات کے مطابق حالتِ حیض میں طلاق دینے پہ اتنا شدید غضب ثابت نہیں کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عتاب کو دیکھ کر طلاق دینے والے کو قتل کر دینے کی اجازت مانگی ہو۔ پھر کیا وجہ ہے جو نسبتۃً کم جرم ہو اسے تو رب کی نافرمانی کا نام دیں اور جو شدید تر گناہ ہو اسے رب کی نافرمانی کا مصداق قرار نہ دیں۔

حاصل یہ کہ رب کی نافرمانی کا اعلیٰ مصداق اکٹھی تین طلاقیں دینا ہے۔ اسے نافرمانی کا مصداق قرار نہ دینا اور صرف حالتِ حیض میں طلاق دینے کو ہی نافرمانی سمجھنا بے دلیل اور غلط ہے۔

(۲) حکیم صاحب کو اصرار ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حالتِ حیض میں دی گئی طلاق واقع تو ہو جائے گی مگر یہ رب کی نافرمانی ہو گی۔

حکیم صاحب یہ توجیہ کس طرح پیش کر سکتے ہیں جب کہ وہ اہلِ سنت پر اعتراض کر چکے کہ اگر اکٹھی تین طلاقیں واقع ہوتی ہیں تو یہ ممنوع، گناہ اور بدعت کیوں ہیں اور اگر منع، گناہ اور بدعت ہیں تو واقع کیوں ہوتی ہیں۔ حکیم صاحب کی توجیہ پہ انہیں کا اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حالت حیض میں طلاق دینا رب کی نافرمانی ہے تو واقع کیوں ہوتی ہے۔ اگر واقع ہو جاتی ہے تو یہ اللہ کی نافرمانی کیوں ہے؟

مزید یہ کہ حکیم صاحب نے اعتراف کیا کہ اس حدیث کے مطابق حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ ہم کہتے ہیں اس اعتبار سے بھی یہ حدیث غیر مقلدین کے اس گروہ کے خلاف ہے جن کی رائے یہ ہے کہ حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

علامہ وحید الزمان غیر مقلد نے اپنی کتاب ”نزل الابرار فی فقہ النبی المختار: ۲/۸۳،۸۱“ میں لکھا کہ حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق واقع نہیں ہوتی۔

وحید الزمان صاحب لکھتے ہیں:

”اب وہ طلاق جو حالتِ حیض میں دی تھی اہلِ حدیث کے نزدیک لغو ہے لیکن ائمہ اربعہ کے نزدیک اس کا شمار بھی ہو گا۔“

(تیسیر الباری شرح بخاری:۷/۱۶۴ طبع تاج کمپنی)

وحید الزمان صاحب نے حالتِ حیض میں دی گئی طلاق کے متعلق مزید لکھا:

”ائمہ اربعہ اور اکثر فقہاء تو اس طرف گئے ہیں کہ شمار ہو گا اور ظاہریہ اور اہلِ حدیث اور امامیہ اور ہمارے مشائخ میں سے امام ابن تیمیہ، ابن قیم، امام ابن حزم علیہم الرحمۃ اور محمد باقر اور جعفر صادق اور ناصر علیہم السلام اہلِ بیت کا یہ قول ہے کہ اس طلاق کا شمار نہ ہو گا اس لیے کہ بدعی اور حرام تھا شوکانی اور محققین اہلِ حدیث نے اسی کو ترجیح دی ہے۔“

(حوالہ مذکورہ)

مولانا داؤد راز غیر مقلد نے علامہ وحید الزمان کی اسی عبارت کو نقل کر کے اتفاق کیا ہے۔ بلکہ اپنی رائے کے پیشِ نظر انہوں نے صحیح بخاری کے ترجمۃ الباب کو مشکوک بنا دیا۔ بخاری میں ہے: ”اِذَا طُلِّقَتْ الْحائِضُ تُعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاقُ، جب حائضہ عورت کو طلاق دی جائے تو یہ طلاق شمار کی جائے گی۔“

راز صاحب نے اس کا یوں ترجمہ کیا:

”اگر حائضہ کو طلاق دے دی جائے تو یہ طلاق شمار ہو گی یا نہیں؟“

(شرح بخاری اردو:۷/۲۸)

میر نور الحسن غیر مقلد لکھتے ہیں:

”طلاق سنی آنست کہ زن حائض نباشد ہم چنیں نفساء نبود زیرا کہ طہر را دراں شرط کردہ ونفاس طہر نیست و دراں طہر کہ طلاق دادہ جماع نکردہ باشد نہ زیادہ بر یک طلاق ندادہ زیرا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر سہ طلاق جیمعا حشمناك شد... وبالجملۃ اتفاق کائن است بر انکہ

طلاق مخالف طلاق سنت را طلاق بدعت گویند... و آنچہ خلاف شرع خدا اور سول است مردود باشد بحدیث عائشہ رضی اللہ عنہا عنہ صلی اللہ علیہ وسلم کل عمل لیس علیہ امرنا فھورد ایں حدیث متفق علیہ است شوکانی گفتہ فمن زعم ان ھذہ البدعۃ یلزم حکمھا وان ھذا الامر الذی لیس من امرہ صلی اللہ علیہ وسلم یقع من فاعلہ ویعتد بہ لم یقبل منہ ذلك الا بدلیل۔"

(عرف الجادی من جنان ھدی الھادی صفحہ ۱۱۹،۱۱۸)

ترجمہ: طلاق شرعی یہ ہے کہ عورت حیض و نفاس کی حالت میں نہ ہو، کیوں کہ طلاق کے لئے عورت کا طہر میں ہونا شرط ہے اور جس طہر میں طلاق دے اس میں جماع نہ کیا ہو اور ایک سے زیادہ طلاق بھی نہ دے کیوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکٹھی تین طلاقوں پر ناراض ہو گئے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ جو طلاق شرعی طریقہ کے خلاف ہو وہ طلاق بدعت ہے اور جو چیز خدا اور رسول کی شریعت کی خلاف ہو وہ مردود ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث نقل کی ہے کہ ہر وہ عمل جو ہمارے دین کے موافق نہ ہو، وہ مردود ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور امام شوکانی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ گمان رکھتا ہے کہ اس غیر شرعی طلاق کا حکم لازم ہو جاتا ہے اور یہ طلاق جو امر رسول کے خلاف ہے، واقع ہو جاتی ہے اور اس کا اعتبار کیا جائے گا اس کی یہ بات بغیر دلیل کے قبول نہیں کی جائے گی۔

رئیس محمد ندوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"طلاق حیض کو بھی مردود و باطل و کالعدم ہونا چاہیے۔"

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۱۸۰)

اسی کتاب میں دوسری جگہ لکھا:

"حالتِ حیض کی طلاق بالکل واقع نہ ہو گی خواہ سو مجالس و اوقات میں سو بار دی گئی ہو۔"

(صفحہ ۵۱۲)

ندوی صاحب آگے لکھتے ہیں:

"حضرت ابن عمر کی طلاق حیض کے باطل و کالعدم ہونے ہی کے باعث ان کو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلایا کہ اگر واقعۃً تمہیں طلاق دینے کا ارادہ ہی ہو تو بحالت طہر دے دینا کیوں کہ حیض والی طلاق تو مردود و باطل ولاشئی ہے۔ ابن عمر کو دوبارہ طلاق دینے کی تعلیم بذاتِ خود اس امر کی دلیل ہے کہ حالت حیض کی طلاق واقع نہیں ہوئی تھی۔"

(تنویر الآفاق فی مسئلۃ الطلاق صفحہ ۴۳۶)

مولانا عبد القادر حصاروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ایک روایت میں ہے وَلَمْ يَرَاهَا شَيْئًا کہ اس کو کوئی شی تصور نہ کیا۔ دوسری روایت میں ہے کہ لیس ذلک بشیءٍ کہ یہ کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ تیسری روایت میں ہے: لَا يُعْتَدُّ بِذٰلِكَ الطَّلَاق کہ اس کا شمار ہی نہیں کیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ غیر مشروع اور غیر مسنون اور غیر ماذون طلاق ناقابل اعتبار ہے۔ پس اسی طرح تین طلاق اکٹھی حرام اور بدعت ہیں۔ ان میں سے دو کو واپس کرنا چاہیے، وہ ناقابل اعتبار ہیں، صرف ایک شمار کرنی ہوگی۔ بعض روایتوں میں حالتِ حیض کی طلاق کو شمار کرنا ظاہر ہوتا ہے لیکن علامہ شوکانی عالم ربانی نے اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے یہ فیصلہ دیا ہے کہ اس بارہ میں کوئی شک نہیں ہے حائضہ کی طلاق نہ شمار کرنے کی روایت اس روایت سے بہت راجح ہے، جو طلاق شمار کرنے کے بارے میں ہے۔ جب موافقت کے منعقد ہونے کی وجہ سے ہم ترجیح کی طرف پھرتے ہیں تو روایت نہ شمار کرنے کی شمار والی سے بہت راجح ہے اس وجہ سے جو گذر چکی ہے۔"

(فتاویٰ حصاریہ: ۶/ ۳۴۲، ناشر: عبد اللطیف ربانی مکتبہ اصحاب الحدیث اردو بازار لاہور، طبع اول ۲۰۱۲ء)

خواجہ محمد قاسم غیر مقلد لکھتے ہیں:

"جہاں تک عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت کا تعلق ہے کہ انہوں نے بیوی کو حالتِ حیض میں طلاق بدعی دی جو باوجود بدعی ہونے کے حُسِبَتْ عَلَيَّ تَطْلِيقَة، (بخاری و مسلم) ایک طلاق سمجھی گئی۔ اس میں استدلال والی کوئی بات نہیں کیوں کہ ایک حدیث میں یوں بھی ہے: فَرَدَّهَا عَلَىَّ وَلَمْ يَرَهَا شَيْئًا۔ (ابو داود ص ۲۲۲ وغیرہ) حضورؐ نے بیوی کو میرے پاس لوٹا دیا اور طلاق کو کچھ خیال

نہ کیا۔ چنانچہ حافظ ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ، حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم کا یہی مسلک ہے کیوں کہ ولم یرھا شیئا کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حُسِبَتْ کا فاعل نہ جانے کون ہے ... اگر طلاق کا وقوع مان بھی لیا جائے تو اس میں یہ ارشاد ہے: مُرْہُ فَلْیُرَجِعْھَا [بخاری: ۵۲۵۱] اسے کہو کہ رجوع کرے۔" وہ طلاق ہی کیا جس کے بعد رجوع واجب ہو۔ یہ طلاق اپنی مثال آپ نظر آتی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے غلطی کی تائید کر کے مزید غلطی کا ثبوت نہیں دینا چاہیے جتنی بات غلط ہو اسے زائل کر دینا چاہیے"

(تین طلاقیں ایک مجلس کی ایک ہوتی ہے صفحہ ۳۵)

یاد رہے کہ حالتِ حیض میں دی جانے والی طلاق کو واقع نہ ماننے والے غیر مقلدین کا یہ فریق صرف مسلم کی زیر بحث حدیث کے خلاف نہیں بلکہ بخاری وغیرہ کی حدیثوں کے بھی خلاف ہے۔ خود حکیم صاحب نے لکھا:

"حیض میں ایک طلاق واقع ہونے کی دلیل صحیح بخاری و دیگر کتب احادیث میں موجود ہے۔"

(احسن الابحاث صفحہ ۱۲)

(جاری)

مولانا الیاس علی شاہ صاحب حفظہ اللہ

سماع صلوٰۃ وسلام عند قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم

الحمد للہ وحدہ والصلاۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ اما بعد!

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم اپنی قبور میں زندہ ہیں خصوصا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اعلیٰ وممتاز حیات حاصل ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر درود وسلام سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں اس سلسلے میں ایک روایت کی تحقیق کے متعلق مختصر تحریر کو ترتیب دی ہے اللہ مقبول فرمائیں آمین یارب العالمین!

جلاء الأفهام لابن قيم

وَقَالَ أَبُو الشَّيْخِ فِي «كتاب الصَّلَاة على النَّبِي صلى الله عليه وسلم: حَدثنَا عبد الرَّحْمَن بن أَحْمد الْأَعرَج: حَدثنَا الْحسن بن الصَّباح: حَدثنَا أَبُو مُعَاوِيَة: حَدثنَا الْأَعْمَش عَن أبي صَالح عَن أبي هُرَيْرَة رَضِي الله عَنهُ قَالَ: قَالَ رَسُول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على عِنْد قَبْرِي سمعته، وَمن صلى عَليّ من بعيد أعلمته. وَهَذَا الحَدِيث غَرِيب جدا. (الباب الأول: ما جاء في الصلاة على رسول الله صلى الله عليه وسلم)

حدیث: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اسے خود سنتا ہوں، اور جو شخص مجھ پر دور سے درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچا دیا جاتا ہے۔

1۔۔۔ امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ”فتح الباری“ میں حضرت ابو الشیخ رحمہ اللہ کی روایت کردہ اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

أَخْرَجَهُ أَبُو الشَّيْخِ فِي «كِتَابِ الثَّوَابِ» بِسَنَدٍ جَيِّدٍ بِلَفْظِ: مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا بُلِّغْتُهُ. (488/6)

2۔۔۔ حضرت علامہ شمس الدین سخاوی رحمہ اللہ نے ”القول البدیع“ میں حضرت ابو الشیخ رحمہ اللہ کی روایت

کردہ اس حدیث کی سند کو جید قرار دیا ہے

وعنه أيضًا ـ رضي الله عنه ـ قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من صلى على عند قبري سمعته، ومن صلى على من بعيد أعلمته»، أخرجه أبو الشيخ في «الثواب» له من طريق أبي معاوية عن الأعمش عن أبي صالح عنه، ومن طريقه الديلمي، وقال ابن القيم: إنه غريب، قلت: وسنده جيد كما أفاده شيخنا. (الباب الرابع: في تبليغه صلى الله عليه وسلم سلام من يسلم عليه)

3۔۔۔ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے ”مرقاۃ المفاتیح“ میں حضرت ابو الشیخ رحمہ اللہ کی روایت کردہ اس حدیث کی سند کو جیّد قرار دیا ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِي سَمِعْتُهُ (رَوَاهُ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْإِيمَانِ) قَالَ مِيرَكُ نَقْلًا عَنِ الشَّيْخِ: وَرَوَاهُ أَبُو الشَّيْخِ، وَابْنُ حِبَّانَ فِي كِتَابِ ثَوَابِ الْأَعْمَالِ بِسَنَدٍ جَيِّدٍ. (3/18)

4۔۔۔ حضرت علامہ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ نے ”التیسیر بشرح الجامع الصغیر“ میں امام حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے حوالے سے اس کی سند کو جید قرار دیا ہے۔

من صلى على عند قبري سمعته، ومن صلى على نائيا) أي بعيدا عني (أبلغته) أي أخبرت به على لسان بعض الملائكة؛ لان لروحه تعلقا بمقر بدنه الشريف وحرام على الارض أن تأكل أجساد الانبياء فحاله كحال النائم. (هب عن أبي هريرة) قال ابن حجر: إسناده جيد. (حرف الميم)

5۔۔۔ علامہ علی بن محمد کنانی رحمہ اللہ نے بھی ”تنزیہ الشریعۃ“ میں حضرت ابو الشیخ رحمہ اللہ کی روایت کردہ اس حدیث کی سند کو جیّد قرار دیا ہے:

تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة

حَدِيثٌ «مَنْ صَلَّى على عندى قَبْرِي سَمِعْتُهُ، وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا وَكَّلَ اللَّهُ بِهَا مَلَكًا يُبَلِّغُنِي، وَكُفِيَ أَمْرَ دُنْيَاهُ وَآخِرَتِهِ، وَكُنْتُ لَهُ شَهِيدًا وَشَفِيعًا» (خطّ) مِنْ حَدِيثِ أَبِي هُرَيْرَةَ وَلَا يَصح، فِيهِ مُحَمَّد بن مَرْوَان وَهُوَ السّدي الصَّغِير، وَقَالَ الْعقيلِيّ: لَا أصل لهَذَا الحَدِيث. (تعقب) بِأَن

الْبَيْهَقِيّ أخرجه فِي «الشّعب» من هَذَا الطَّرِيق، وتابع السّدّيّ عَن الْأَعْمَش فِيهِ أَبُو مُعَاوِيَة، أخرجه أَبُو الشَّيْخ فِي الثَّوَاب. (قلت:) وَسَنَده جيد كَمَا نَقله السخاوي عَن شَيْخه الْحَافِظ ابْن حجر وَالله أعلم. وَله شَوَاهِد من حَدِيث ابْن مَسْعُود وَابْن عَبَّاس وَأبي هُرَيْرَة، أخرجهَا الْبَيْهَقِيّ، وَمن حَدِيث أبي بكر الصّديق أخرجه الديلمي. وَمن حَدِيث عمار أخرجه الْعقيلِيّ من طَرِيق عَليّ بن قَاسم الْكِنْدِيّ. وَقَالَ: عَليّ بن الْقَاسِم شيعي فِيهِ نظر، لَا يُتَابع على حَدِيثه انْتهى. وَفِي «لِسَان الْمِيزَان»: أَن ابْن حبَان ذكر على بْن الْقَاسِم فِي الثِّقَات، وَقد تَابعه عبد الرَّحْمَن بن صَالح وَقبيصَة بن عقبَة. أخرجهُمَا الطَّبَرَانِيّ.

(كتاب المناقب والمثالب بَاب فِيمَا يتَعَلَّق بالنبي صلى الله عليه وسلم) تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة: الْفَصْل الثَّانِي

حاصل یہ کہ امت کے متعدد حضرات محدثین نے حضرت ابو الشیخ کی سند کو جیّد قرار دیا ہے۔

سند کے راویوں کی تحقیق

1۔۔۔حافظ ابو الشیخ روایت حدیث میں قابل اعتماد راوی ہے۔

علامہ ذہبیؒ ان کو حافظ اصبہان، مسند زمان، الامام لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کثرت علم اور وافر حافظہ کے ساتھ نیک اور دیندار بھی تھے اور محدث ابن مردودیہؒ کہتے ہیں کہ وہ ثقہ اور مامون تھے علامہ خطیب ان کو حافظ ثبت اور متقن کہتے ہیں حافظ ابو نعیمؒ ان کو احد الاعلام اور ثقہ کہتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ ص3ص148،147)

حافظ ابن قیمؒ ان کو الحافظ لکھتے ہیں (اجتماع الجیوش الاسلامیۃ ص95)

علامہ ابن حجر ان کو الحافظ اور ثقہ لکھتے ہیں (لسان المیزان ج6ص395)

ابو الشیخ اگرچہ مثالب امام اعظم ابی حنیفہ کی چند روایات کا راوی ضرور ہے مگر کسی محدث یا حنفی محقق نے ان رویات کے وضع کا الزام اس پر نہیں لگایا۔۔ جیسے اشاعتی لوگ دھوکہ دیں رہے ہیں۔ موضوع روایات کا راوی ہونا تو امام احمد بن حنبل اور ابن ماجہ بھی ہیں۔۔

یادرہے دو ثقہ حفاظ ابن قیمؒ اور امام سیوطیؒ اسے ابو الشیخ کی کتاب سے باسند نقل کررہے ہیں تو یہ حجت ہے کتاب کے مفقود ہونے سے اس کے حجت ہونے پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

2۔۔۔عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ الاعرج

ابو الشیخ الاصبہانیؒ نے "طبقات الاصبہانیین" میں اپنے دو شیوخ جو آپس میں بھائی ہیں کا ترجمہ نقل کیا ہے عبد الرحمٰن بن احمد اعرج اور اس کے بھائی محمد بن احمد کا پہلے عبد الرحمن کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

طبقات المحدثين بأصبهان والواردين عليها (3/ 541۔542)

486۔۔۔ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ الزُّهْرِيُّ، يُكْنَى أَبَا صَالِحٍ الْأَعْرَجَ، تُوُفِّيَ سَنَةَ ثَلَاثِمِائَةٍ

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ، قال: حدثنا حُمَيْدُ بْنُ مَسْعَدَةَ، قال: حدثنا حَمَّادُ بْنُ يَزِيدٍ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ السَّرَّاجِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ: «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الْقَزَعِ» .

حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَحْمَدَ، قال: حدثنا أَبُو حَفْصٍ عُمَرُ بْنُ زِيَادٍ الْأَزْدِيُّ الزَّعْفَرَانِيُّ بِهَمْدَانَ، قال: حدثنا إِبْرَاهِيمُ بْنُ قُتَيْبَةَ، قال: حدثنا قَيْسٌ، عَنِ الْعَبَّاسِ بْنِ ذَرِيحٍ، عَنْ شُرَيْحِ بْنِ هَانِئٍ، عَنْ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لا تَكْرَهُوا الْفِتْنَةَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ، فَإِنَّهَا تُبَيِّنُ الْمُنَافِقِينَ» .

اس کے بعد اس کے بھائی کا ترجمہ نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

487۔۔۔ أَخُوهُ مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ يَزِيدَ الزُّهْرِيُّ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَوِيِّ فِي حَدِيثِهِ، كَثِيرُ الْحَدِيث

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَحْمَدَ بْنِ يَزِيدَ، قال: ثنا إِسْمَاعِيلُ بْنُ يَزِيدَ، قال: حدثنا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ وَائِلِ بْنِ دَاوُدَ، عَنِ ابْنِهِ بَكْرِ بْنِ وَائِلٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْلَمَ عَلَى صَفِيَّةَ بِسَوِيقٍ وَتَمْرٍ» .

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ، عَنْ إِسْمَاعِيلُ، قال: حدثنا سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ سُورَةٌ.

عبد الرحمن بن احمد الاعرج کو مجہول الحال قرار دینا درست نہیں کیونکہ ابو الشیخ نے اس پر مطلق سکوت اختیار نہیں کیا۔ جیسے آپ دیکھ سکتے ہیں کہ ابو الشیخ نے دونوں بھائی کا ترجمہ ایک ساتھ ذکر کیا تو محمد میں کلام کیا اور فرمایا: إنه لم يكن بالقوي في الحديث۔۔۔ اور عبد الرحمن سے سکوت اختیار کیا کیونکہ اس پر کوئی جرح نہیں جانتا اگر جانتا تو ضرور ذکر کرتا کیونکہ دونوں آپ کے مشائخ میں سے ہیں پس آپ کا شیخ عبد الرحمن سے سکوت کرنا

باوجود اس کے کہ اس کے بھائی پر کلام کیا جبکہ دونوں آپ کے شیوخ بھی ہیں دلیل ہے کہ عبد الرحمن ان کے ہاں معتمد ہے اس لئے تو حافظ ابن حجر نے عبد الرحمن الاعرج کے اسناد کو جید کہا اور یہی درست ہے۔

3۔۔الحسن بن الصباح

الإمام الحافظ الحجة، شيخ الإسلام(سير أعلام النبلاء ج12، ص193)

جلاء الافہام جو شعیب الارناووط اور عبد القادر الارناووط کی تحقیق سے مطبوع ہے اس میں اس روایت کا راوی الحسن بن الصباح ہی ہے اور یہی درست ہے۔علامہ امام سیوطی نے بھی اللآلئ المصنوعة فی الاحادیث الموضوعة میں ابو الشیخ کی سند میں الحسن بن الصباح ہی نقل کیا ہے۔

حدثنا عبد الرحمٰن بن احمد الاعرج حدثنا الحسن بن الصباح حدثنا ابو معاوية عن الاعمش به(ج1ص283)

اشاعتی محقق علامہ نیلوی صاحب نے بھی راوی کا نام الحسن بن الصباح ہی ذکر کیا ہے۔ندائے الحق ج2ص83

اشاعتی مولف آئینہ تسکین نے بھی یہی نام ذکر کیا(ص123)۔

ہاں کشف الستر میں اشاعتی مصنف نے اس کا نام بلا تحقیق الحسین بن الصباح بنادیا(صفحہ 39،38،15)۔

یاد رہے الحسن بن الصباح بخاری شریف کا راوی ہے۔مگر اشاعتی بلا تحقیق اسے الحسین بن الصباح بنا کر دھوکہ دیں رہے۔

آگے بخاری کی سند ہے۔ابو معاوية عن الاعمش عن ابی الصالح عن ابی هريرة بخاری کی سند ہے(ج2ص735)

4۔۔۔ابو معاویہ الضریر، محمد بن خازم التیمی السعدی الکوفی

آپ 195ھ کو فوت ہوئے۔آپ کی توثیق درج ذیل ائمہ نے کی ہے

یعقوب بن شیبہ:

"وکان من الثقات"(تاریخ بغداد:5/249)

ابن سعد:

"وکان ثقةً کثیر الحدیث"(طبقات ابن سعد:6/392)

عجلی:

"ثقة"(تاریخ الثقات:1450،دوسرا نسخہ:1589)

ابن حبان

ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال: "وکان حافظًا متقنًا" (7/441)

ذہبی:

"الإمام الحافظ الحجة۔۔۔ أحد الأعلام" (سیر اعلام النبلاء: 9/73)

ابن حجر عسقلانی:

"ثقة أحفظ الناس لحديث الأعمش" (تقریب التہذیب: 5841)

ابو معاویہ کے متعلق امام حاکم نے فرمایا:

"أبا معاوية أحفظ أصحاب الأعمش"

"ابو معاویہ اعمش کے سب سے احفظ اصحاب میں سے ہیں" (مستدرک علی الصحیحین: 1/501)

نوٹ: ابو معاویہ الضریر (م 295ھ) کو حافظ ابن حجر نے دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے۔

(طبقات المدلسین ص 73

اور دوسرے طبقہ کی تدلیس موجب جرح نہیں ہے۔

4۔۔ ابو محمد سلیمان بن مہران الاعمش الاسدی الکاہلی الکوفی رحمہ اللہ

آپ 148ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی توثیق درج ذیل ائمہ نے کی ہے:

احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

الأعمش أحب إلى وهو صحيح الحديث، وهو محدث

(مسائل الامام احمد بروایۃ ابن ھانی: 2/216 رقم: 217

عاصم بن بهدلة ثقة رجل صالح خير ثقة والأعمش أحفظ منه وكان شعبة يختار الأعمش عليه في تثبيت الحديث

الجرح والتعدیل: 6/341، العلل ومعرفۃ الرجال: 230))

یحیٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ:

"هو علّامة الإسلام" (تاریخ بغداد: 9/8)

یحییٰ بن معین رحمہ اللہ:

"ثقة"(الجرح والتعدیل:4/146)

ابو حاتم رازی رحمہ اللہ:

"ثقة یحتج بحدیثه"(الجرح والتعدیل:4/146)

عجلی رحمہ اللہ:

"ثقة"(تاریخ الثقات:619)

6:ابن حبان رحمہ اللہ:

ذکرہ ابن حبان فی الثقات (4/302)

ذہبی رحمہ اللہ:

"الإمام شیخ الإسلام، شیخ المقرئین والمحدثین"(سیر اعلام النبلاء:6/226)

"أحد الائمة الثقات"(میزان الاعتدال:2/224)

ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ:

"ثقة حافظ ۔۔۔ ورع"(تقریب التہذیب:2615)

"أحد الأعلام الحفاظ"(لسان المیزان:8/378رقم:12846)

نوٹ:۔امام اعمش اگر اپنے درج ذیل تین اساتذہ سے روایت کریں تو ان کی روایت سماع پر محمول ہوتی ہے۔

1۔۔ابو صالح السمان

2۔۔ابو وائل شقیق

3۔۔ابراہیم بن یزید النخعی

چنانچہ امام ذہبی فرماتے ہیں:

قلت: وهو يدلس، وربما دلس عن ضعيف، ولا يدري به، فمتى قال حدثنا فلا كلام، ومتى قال "عن" تطرق إلى احتمال التدليس إلا في شيوخ له أكثرعنهم: كإبراهيم،]وأبي[وائل، وأبي صالح السمان، فإن روايته عن هذا الصنف محمولة على الاتصال

میں کہتا ہوں کہ اعمش تدلیس کیا کرتے تھے اور بعض اوقات آپ ضعیف راوی سے بھی تدلیس کیا کرتے تھے اور انہیں اس کا علم نہیں ہوتا لہٰذا جب آپ حدثنا کہیں تو اس کی روایت کے حجت ہونے میں کوئی کلام نہیں اور جب آپ "عن" کہیں تو اس میں تدلیس کا احتمال آجاتا ہے سوائے ان شیوخ میں جن سے آپ نے کثرت سے روایات لی ہیں مثلا ابراہیم (النخعی)، ابی وائل (شقیق بن سلمہ)، اور ابوصالح السمان، کیونکہ ان کی روایت اس صنف سے اتصال پر محمول ہوتی ہے۔

(میزان الاعتدال:2/224)

امام ذہبی اس فن کے امام اور صاحبِ استقراء التام ہیں، ان کی یہ تخصیص ان کے استقراء و تحقیق پر مبنی ہے لہٰذا ان کی یہ بات حجت ہے۔ اور مذکورہ روایت بھی اعمش کا ابوالصالح سے ہے۔

5۔۔۔ابوصالح ذکوان السمان الذیات رحمہ اللہ

آپ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مشہور شاگردوں میں سے ہیں اور امام اعمش وغیرہ کے استاد ہیں۔ آپ 101ھ کو فوت ہوئے۔

آپ کی توثیق درج ذیل ائمہ نے کی ہے:

احمد بن حنبل رحمہ اللہ:

"ھو أوثقھم۔ قالوا: ثقة ثقة" (العلل و معرفة الرجال:4723)، (الجرح والتعدیل:3/451)

یحیٰ بن معین:

"ثقة" (تاریخ دارمی عن ابن معین:956)

ابوزرعہ رازی:

"ثقة مستقیم الحدیث" (الجرح والتعدیل:3/451)

ابوحاتم رازی:

"صالح الحدیث یحتج بحدیثه" (الجرح والتعدیل:3/451)

ابن سعد:

"کان ثقة کثیر الحدیث" (طبقات ابن سعد:5/301)

عجلی:

”ثقة“(تاریخ الثقات:404،دوسرا نسخہ:433)

ابن حبان

ذکرہ ابن حبان فی الثقات (4/221،222)،

ذہبی:

”القدوة الحافظ الحجة“(سیر اعلام النبلاء:5/36

ابن حجر عسقلانی:

”ثقة ثبت“(تقریب التہذیب:1841)

غریب حدیث

ایک ہے فن غریب الحدیث اور ایک ہے کسی حدیث کا غریب ہونا اول کا تعلق متن سے ہے یعنی متن میں ایسے الفاظ کا ہونا جو نہایت مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں کیونکہ وہ قلیل الاستعمال ہوتے ہیں۔امام ابن الصلاح معرفت غریب الحدیث کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وھوعبارة عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضة البعیدة من الفھم۔۔۔

(مقدمة ابن الصلاح ص245ا، النوع32)

ترجمہ:۔ غریب الحدیث وہ فن ہے جس میں متون احادیث میں ایسے الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جونہات مشکل اور فہم سے بعید ہوتے ہیں۔

مذکورہ حدیث اس معنی غریب نہیں۔

دوم یعنی کسی حدیث کا غریب ہونا اس کا تعلق سند سے ہے یعنی کسی سند میں راوی کا متفرد ہونا۔ امام ابن الصلاح اسی کے متعلق فرماتے ہیں:

ثم الغریب ینقسم الی صحیح کالافراد المخرجة فی الصحیح والی غیر الصحیح وذٰلك والغالب علی الغرائب۔

(مقدمة ص244)

ترجمہ:۔ پھر غریب کی دو قسمیں ہیں ایک صحیح جیسے ان منفرد راویوں کی حدیثیں جن کی صحیح میں تخریج کی گئی ہے اور دوسری غیر صحیح اور غرائب پر یہی حال غالب ہے۔

معلوم ہوا کہ غرابت صحت کے منافی نہیں۔ بخاری کی پہلی حدیث انما الاعمال بالنیات غریب ہے فان اسنادہ متصف بالغرابۃ (مقدمۃ ابن الصلاح 245) تو کیا اس کا مطلب ہو گا کہ یہ ضعیف ہے؟

حدیث کی مضمون کی تحقیق

اس حدیث کے مضمون پر اہل سنت والجماعت کا اجماع واتفاق رہا ہے مماتیت کے ظہور سے پہلے سب علماء احناف حنابلہ مالکیہ شافعیہ، اہل ظواہر اور علماء نجد سماع عند القبر النبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر متفق رہے ہیں۔۔۔

سماع الانبیاء علیہم السلام عند القبور اہل سنت کا اجماعی مسئلہ ہے۔ اور عام سماع الاموات مختلف فیہ ہے

مسلک علمائے دیوبند

اکابر دیوبند کی تحقیقات کے مطابق سماع صلوٰۃ وسلام پر علمائے اہل سنت کا اتفاق رہا ہے۔

قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے ہیں:

"انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کا اختلاف نہیں"

(فتاویٰ رشیدیہ ج1 ص100)

حکیم الامت اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں:

"روضہ مبارک پر جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں"

(امداد الفتاویٰ ج5 ص110)

مسئلہ اجماعی ہونے پر چند قرائن ودلائل

1۔۔۔ مولانا سرفراز خان صفدر کا چیلنج:

1374ھ تک کسی سنی عالم سے اس کا انکار منقول نہیں اور یہ اجماع امت کا واضح قرینہ ہے۔ چنانچہ مولانا سرفراز صفدرؒ منکرین کو چیلنج دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"بلاخوف تردید یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تقریباً1374ھ تک اہل السنۃ والجماعۃ کا کوئی فرد کسی

فقہی مسلک سے وابستہ دنیا کے کسی خطہ میں اس کا قائل نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے کسی اسلامی کتاب میں عام اس سے کہ وہ کتاب حدیث وتفسیر کی ہو یا شرح حدیث اور فقہ کی۔ علم کلام کی ہو یا علم تصوف وسلوک کی۔ سیرت کی ہو یا تاریخ کی کہیں صراحت کے ساتھ اس کا ذکر نہیں کہ آپ کہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسم اطہر سے کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور آپ عند القبر صلوۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے"

(تسکین الصدور ص244)

اس چیلنج کے جواب میں شہاب الدین خالدی نے چند عبارات کا خود ساختہ مفہوم لیکر اپنے حواریوں خوش کرنے کی کوشش کی ہے مگر ان سے صراحت کیساتھ کوئی عبارت نہیں دکھا سکے بلکہ ان کی صریح عبارتوں میں سماع کی تصریح ہے۔

2۔۔۔اہل السنۃ والجماعۃ کی چار مستند فقہی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنے کے سلسلے میں نماز سے باہر دور دراز سے خطاب کے صیغے استعمال کرنے کی ترغیب نہیں دی گئی لیکن جب یہ حضرات روضہ اقدس پر حاضری کے آداب بیان کرتے ہیں تو وہاں پر سب ہی حضرات خطاب کے صیغے (السلام علیك یا رسول اللہ وغیرھا) لکھنے لگتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مغنی ابن قدامہ ج3 ص558، فتح القدیر لابن ھمام ج3 ص95، نوالایضاح مع مراقی الفلاح وحاشیہ طحطاوی ص206، فتاوی عالمگیریہ ج۔۔۔ص265)

ایسے ہی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب سفر سے تشریف لاتے تو روضہ اطہر کے پاس سلام اس طرح کرتے

"السلام علیك یا رسول اللہ۔ السلام علیك یا ابا بکر، السلام علیك یا ابتاہ۔۔۔"

(مصنف ابن عبد الرزاق ج3 ص576، ابن ابی شیبہ ج4، ص138 السنن الکبریٰ للبیہقی، الصارم المنکی ص116)(قاعدہ جلیلہ ص137،56))

3۔۔۔ایسے ہی فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کسی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک سلام پہچانے کا کہا ہو تو صلاۃ وسلام

پیش کرنے بعد اس کا سلام اس کا نام بارگاہ رسالت میں پیش کرے۔(وفاء الوفاء ج2 ص423، فتح القدیر ج3 ص 95) فتاوی عالم گیریہ ج1 ص226،225، نور الایضاح مع مراقی الفلاح وحاشیہ طحطاوی ص407)

اسی طرح یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ بھی مدینہ منورہ جانے والوں کے ذریعے بارگاہ رسالت میں سلام بھجوایا کرتے تھے اور اس مقصد کے لئے ڈاک بھی بھیجا کرتے تھے۔(شفاء قاضی عیاض مع نسیم الریاض وشرح ملا علی قاریؒ ج3 ص16)

یہ سب باتیں بلا نکیر فقہاء اپنی کتابوں میں لکھتے آرہے ہیں گویا سب حضرات سماع عند القبر النبوی کے قائل ہیں اور صلوۃ وسلام پیش کرنے اور بھیجنے میں دور ونزدیک کا فرق ملحوظ رکھتے ہیں

4۔۔۔۔استشفاع عند القبر النبوی

اجماع اہل سنت پر سب سے واضح قرینہ یہ بھی ہے کہ جمہور فقہاء ومحدثین استشفاع عند القبر کو جائز سمجھتے ہیں۔ جس کا اصل سلف صالحین کی تقریر سے ثابت ہے جو حضرت مالک الدار کے سند سے مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہے۔ اور استشفاع عند القبر النبوی متفرع ہے سماع پر لہذا ان حضرات کے ہاں سماع عند القبر النبوی بے غبار ثابت ہے۔

5۔۔۔۔منکرین استشفاع بھی سماع کے قائل ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ جو استشفاع کا منکر ہے اور جو اس مسلک میں آپ کے ہمنوا ہیں وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عند القبر سماع کے قائل ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"ان اللہ تعالیٰ حرم علی الارض ان تاکل لحوم الانبیاء فاخبرانہ یسمع الصلوۃ والسلام من القریب وانہ یبلغ ذٰلك من البعید"

(مناسک الحج ص84 طبع دہلی)

ترجمہ:۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کا گوشت کھائے پس آپ نے خبر دی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قریب سے سنتے ہیں اور دور سے آپ کو پہنچایا جاتا ہے۔

آپ ہی فرماتے ہیں:

"فھویرد السلام علی من یسلم علیه عند قبره ویبلغ سلام من سلم علیه من البعد"

(مجموعۃ الفتاوی ج14 جزء27 ص14)

ترجمہ:۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود سلام کا جواب عنایت فرماتے ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبر کے پاس سلام کریں اور سلام پہنچایا جاتا ہے اس کا جو دور سے سلام کریں۔۔

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں:

" وروح رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم فی الرفیق اعلیٰ علیین وترد الی القبر ویرد اللّٰہ سبحٰنه الی القبرفترد السلام علی من سلم علیه وتسمع کلامه "

(کتاب الروح 305)

ترجمہ:۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ہمیشہ رفیق اعلیٰ میں رہتی ہے اور اللہ تعالی اس کو لوٹاتے ہیں قبر میں پس وہ سلام کرنے والے کے سلام کا جواب دیتی ہے اور اس کا کلام سنتی ہے۔"

علامہ ابن عبد الہادیؒ جو اس حدیث کے سند پر خوب جرح کرتے ہیں لیکن فرماتے ہیں:

فاما ذٰلك الحدیث وان کان معناہ صحیا فاسنادہ لایحتج به وانما یثبت معناہ بالاحادیث أُخر(الصارم المنکی ص131)

ترجمہ:۔ بہر حال یہ حدیث اگرچہ اس کا معنی صحیح ہے لیکن اس کی سند قابل احتجاج نہیں ہے البتہ اس کا معنٰی دوسری احادیث کی روشنی میں ثابت ہے۔

نیز آپ ہی فرماتے ہیں:

" وھو یسمع السلام من القبر وتبلغه الملائکة الصلوٰۃ والسلام من البعد"

(الصرم المنکی ص282)

ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر مبارک سے سلام سنتے ہیں اور دور سے فرشتے پہنچاتے ہیں۔

علامہ آلوسیؒ نے (روح المعانی ج22، ص38) پر " رد السلام المسموع" سنے ہوئے سلام کا جواب لوٹانا۔۔ کی تصریح کی ہے۔

قاضی شوکانی فرماتے ہیں:

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حی بعد وفاتہ وانہ یسر بطاعات امتہ وان الانبیاء لا یبلون مع ان مطلق الادراك كاعلم والسماع ثابت لسائر الموتیٰ۔ (نیل الاوطار ج3 ص 264)

ترجمہ:۔ بے شک محققین کی جماعت اس طرف گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر مبارک میں وفات کے بعد زندہ ہیں اور آپ اپنی امت کی طاعات سے خوش ہوتے ہیں اور یہ انبیاح علیہم السلام کے اجساد بوسیدہ نہیں ہوتے حالانکہ مطلق ادراک جیسے علم وسماع تو سب مردوں کے لئے ثابت ہے۔

شیخ محمد بن عبد الوھاب اور ان کے پیروکار لکھتے ہیں:

والذی نعتقد ان رتبة نبیا صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ مراتب المخلوقین علی الاطلاق وانہ حی فی قبرہ حیٰوة مستقرة ابلغ من حیات الشھداء المنصوص من یسلم علیھا فی التنزیل اذ ھو افضل منھم بلا ریب وانہ یسمع من یسلم علیہ (الدرر السنیة فی الاجوبة النجدیة۔

(اتحاف النبلاء ص415)

ترجمہ:۔ جس چیز کا ہم اعتقاد کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ ہمارے نبی کا درجہ مطلقا ساری مخلوق سے بڑھ کر ہے اور آپ اپنی قبر مبارک میں حیات دائمی سے متصف ہیں جو شہداء کی حیات سے اعلیٰ وارفع ہے جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بلا شہداء سے افضل ہیں اور جو شخص آپ پر (عند القبر) سلام کہتا ہے آپ سنتے ہیں۔

گویا 1374ھ سے ہجری سے پہلے علامہ ابن تیمیہ سمیت جمہور فقہاء ومحدثین کا سماع عند القبر النبوی پر اجماع رہا ہے اور ان سے پہلے کسی سے صریح انکار یا اختلاف منقول نہیں۔

اس اجماع کی فقہی حیثیت

صاحب نو الانوار فرماتے ہیں:

"ثم اجماع من بعدھم ای بعد الصحابة من اھل کل عصر علی کل حکم لم یظھر فیہ خلاف من سبقھم من الصحابة فھو منزلة الخبر المشھور یفید الطمانینة دون الیقین"

(نور الانوار مبحث الجماع ،ص222،،223)

ترجمہ:۔ صحابہ کے بعد ہر عصر کے لوگوں کا کسی حکم پر اجماع ہونا جس میں پہلے لوگوں یعنی صحابہ سے خلاف ظاہر نہ ہوا ہو۔ یہ بمنزلہ خبر مشہور کے ہوتا ہے جو طمانیت کا فائدہ دیتی ہے۔

اس مسئلہ کی پوزیشن بھی ایسی ہے کہ صحابہ سے سماع عند القبر النبوی میں خلاف ظاہر نہیں اور بعد کے فقہاء و محدثین 1374ھ تک متفق آرہے ہیں۔۔ اور یہ بمنزلہ خبر مشہور کے ہے۔۔

خبر مشہور کا حکم

نور الانوار میں لکھا

لایکفر جاحدہ بل یضلل علی الاصح (نور الانوار ص177)

ترجمہ:۔ اس کے منکر کی تکفیر نہیں کی جائے گی بلکہ صحیح قول کے مطابق مضل (گمراہ) قرار دیا جائے گا۔

مولانا ابو حمزہ محمد ذیشان یوسف چنیوٹی صاحب حفظہ اللہ (قسط:۱)

الافشاء لمکر ناقد الاعلاء

(اعلاء السنن پر کی گئی تنقید کی حقیقت)

سبب تالیف

اسلام نے اپنی روحانی اور محاذی قوت سے جب ہند کے بت کدے کو دار الاسلام میں، اور بیشتر ہندوؤں کو اہل ایمان میں تبدیل کیا۔ تو اس تبدیلی کے دونوں عنصر روحانیت اور محاذی قوت مسلمانان احناف ہی تھے۔ دیگر اسلامی حکومتوں کی طرح جب برصغیر پر دور زوال آیا تو دشمن نے مرد میدان بن کر نہیں بلکہ وسوسہ اندازی کے ذریعے آپس میں منافرت پیدا کی۔ جیسے حکام کی قوت کو باہمی جھگڑوں کے ذریعے کمزور کیا بعینہٖ ایسے ایک نوپید فرقے کی حوصلہ افزائی اور خوب مالی امداد کر کے اس میدان میں بھی انتشار پیدا کر دیا۔ کفار کو زیر کرنے والے مسلمانان احناف سے انہیں طبعی بغض تھا لہذا نوپید فرقے نے احناف کی مخالفت پر یوں کمر کسی کہ کفر سے مقابلہ تو درکنار ان کے ساتھ وفاداری کا دم بھرنے لگے۔ چونکہ یہ مسلمانوں پر مذہبی وار تھا لہذا احناف پر مذہبی رو سے طعن و تشنیع ہوئی۔ امام ابو حنیفہؒ نہ صرف ائمہ اربعہ میں بالاتفاق داخل ہیں بلکہ بالاتفاق احناف اور دیگر حضرات نے انہیں ائمہ اربعہ میں سے الامام الاعظم جاتا ہے۔ لیکن یہ نوپید فرقہ اسلاف امت کی اس گواہی پر مطمئن نہیں ہے۔ لہذا امام ابو حنیفہ کی فقہی آراء کو نئے نئے سرے سے مدلل انداز میں پیش کیا گیا۔ اس پیش رفت میں ایک عظیم کردار "اعلاء السنن" نے ادا کیا لیکن حیرت بالائے حیرت ہے کہ جو خود اپنے نزدیک "فقہی اور حدیثی ذخیرہ" پیش کرنے سے مسلسل عاجز ہیں۔ انہیں اس پر اعتراض ہیں۔

انقلاب چمن دہر کی دیکھی میں نے تکمیل
یہاں قارون بھی کہ دیتا ہے حاتم کو بخیل

اور یہ اعتراض اپنی خفت کو مٹانے اور احساس کمتری دور کرنے کی کا ذریعہ ہیں۔ ورنہ علمی اعتراض کرنے والوں کا طرز یہی ہوتا ہے کہ وہ جس چیز پر اعتراض کرتے ہیں اس کا اعتراض سے خالی پہلو بھی پیش کرتے ہیں۔ جبکہ یہاں اعلاء السنن پر اعتراض تو ہے لیکن اپنا مدعا اسی تفصیل سے ندارد، خیر اگر صرف تنقید برائے تنقید ہی ان کا کل

جہاں تھا تو اس میں بھی کسی معیار پر بات کی ہوتی ہے لیکن یہاں تنقید بھی جرائم سے آلودہ ہے۔ جس کا راز فاش کرنے کے لیے اس نوپید فرقے کی کتاب "اعلاء السنن فی المیزان" کا جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

مقدمة الکتاب

الحمد للرحمن خلق الانسان علمه البيان، والصلوة والسلام على من ارسل الى الانس والجان، وعلى من نشر علومه من اهل الفقه والاتقان، خصوصاً على الامام الاعظم ابی حنيفة النعمان، وعلى المحدث الناقد، المتفوق على الحاقد، ظفر احمد من ولد عثمان، اما بعد

علم انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے جو وقتاً فوقتاً اپنی قوموں کی راہنمائی کیلئے مبعوث ہوتے رہے آخر میں سید الانبیاء خاتم النبیین بن کر مبعوث ہوئے تو ان کے علوم انکے صحابہ نے ان سے بلاواسطہ اور تابعین نے صحابہ کے واسطے سے حاصل کیے۔ یہ علوم زندگی کے شعبہ جات میں راہنمائی کیلئے تھے۔ قرآن و حدیث سے استدلال کرنے میں فہم مختلف ہونے اور نئے پیش آنے والے مسائل میں اجتہاد مختلف ہونے کے باعث اجتہادی اختلاف ہوا۔ جس میں رائے کے درست ہونے پر دو اجر، اور خطا اور غلط ہونے پر ایک اجر کی بشارت زبان نبوت سے مل چکی تھی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے اجتہادی اختلاف کے متعلق عظیم تابعی، خلیفہ راشد، عمر بن عبد العزیز کا قول مشہور ہے ما يسرني ان اصحاب محمد لم يختلفوا میں نہیں چاہتا کہ صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا۔ لہذا صحابہ کا اختلاف حد اعتدال میں اور نعمت تھا۔ اسی طرح کبار تابعین میں بھی اختلاف قابل تحمل تھا۔ تابعین کے دور اختتام تک اختلاف کثرت کی طرف چل پڑا تھا۔ اور اسکے مضر اثرات بھی دکھائی دینے لگے تھے۔

کثرت اختلاف کا سبب

صحابہ رضی اللہ عنہم کے بعد حکام بالا سیاسی نظام کو اپنی طاقت کے بل بوتے پر چلا رہے تھے۔ اور دینی مسائل میں عالم اسلام کی (جو کہ دن بدن وسیع سے وسیع تر ہوتا جاتا تھا) دینی راہنمائی کیلئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرح کوئی اہل علم و فضل کی کوئی مجلس شوری نہیں بنا رکھی تھی۔ ان بادشاہوں کی حیثیت مذہبی پیشوا کی نہیں بلکہ ایک سیاسی قائد جتنی ہوتی تھی۔ لہذا ہر علاقے کے عوام بلکہ ضرورت پڑنے پر خود بادشاہ اپنے قریبی اہل علم سے راہنمائی لیا کرتے تھے۔ اور وہ اہل علم قرآن و سنت کی روشنی میں اپنے اجتہاد کے مطابق راہنمائی فرمایا کرتے

تھے۔ مگر تمام عبادات ، تجارت ، معاشرت ، معیشت ، جرم و سزا ، دیوانی و فوجداری ، مقدمات ، جہاد ، باغیوں ، ذمیوں اور کافروں سے معاملات ، بین الاقوامی معاہدوں سمیت سینکڑوں مسائل تھے جن کو حل کر لینا ہر مفتی ، قاضی یا فقیہ کے بس کی بات نہیں تھی اور نو مسلموں کا ایک جم غفیر تھا جسکی گذشتہ عادات واطوار کے متعلق انہیں بتانا تھا کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح !!! ان متنوع مسائل میں سے جن مسائل کو حل کر بھی لیتے تھے تو فقہاء کے اجتہادی اختلاف کے باعث متضاد فتاوی کا ایک انبار جمع ہو رہا تھا۔ اگر یہ دروازہ یونہی چوپٹ کھلا رہتا تو دائرہ اسلام کے وسیع ہونے کیساتھ اختلاف نے بھی اسی قدر وسعت اختیار کرنے جانا تھا کہ ہر علاقے کے اہل علم کا قرآن وحدیث سمجھنے کا الگ فہم اور نئے مسائل ہیں اجتہاد کے متعلق اپنا ایک الگ نظریہ !!! جس کے نتیجے میں آج ہم دیکھتے کہ ہر اسلامی ملک ، ملک کے ہر شہر ، شہر کے ہر محلے والوں کا ایک الگ مذہب ہوتا۔ اختلاف کا رحمت ہونا بالکل بارش کے رحمت ہونے کی طرح ہے اگر حد اعتدال میں ہو تو رحمت ، ورنہ طوفان کہلاتی ہے اور اسے عذاب کہا جاتا ہے۔ اختلاف کی کثرت کو نہ تو امت نے پہلے کبھی پسند کیا ، نہ ہی بعد میں ، نہ عین اس وقت اسکو باقی رکھنا برداشت کیا گیا۔ بس ایک عبوری دور تھا جو انتہائی مختصر ثابت ہوا۔ اہل علم نے اس بات کو بڑی سنجیدگی سے محسوس کیا۔ امام ابو حنیفہ کے ہم عصر ابن المقفع کا حکام کو لکھا ہوا پر سوز خط اس زمانے کے احساسات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے۔

ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں امام ابو حنیفہ کے ہم عصر ابن المقفع کے اپنے نظم و نسق تجربے کے باعث ایک درد بھرے رسالے الصحابہ میں حکومت کو توجہ دلائی کہ قضاۃ ساختہ قانون نظائر ، اور فتاوی میں تضاد اور اختلاف رائے کی اتنی کثرت ہو گئی ہے کہ صحیح اسلامی حکم کا پتہ چلنا ناممکن ہو گیا ہے اور ضرورت ہے کہ مختلف اقوال کو کھنگال کر کسی کو ترجیح دی جائے۔ اور خلیفہ کے حکم سے واجب التعمیل قرار دیا جائے انتھی۔ مگر ہم یہ واضح کر چکے ہیں کہ ان بادشاہوں کی حیثیت عوام کی نظروں میں سیاسی قائد کی تھی نہ کہ مذہبی پیشوا کی۔ اول تو وہ ایسا کر نہیں سکتے تھے اور اگر کرتے بھی تو ان کے فیصلوں کو عوام کے ہاں دینی حیثیت ملنا بہت مشکل تھا۔ تو اس وقت کا سب سے بڑا چیلنج یہ تھا کہ مسائل کو مدون کر کے ایسی شکل دی جائے کہ وہ اپنی علمی قوت سے دل و دماغ کو مسخر کرے ، بڑھتے ہوئے اس اختلاف کو روک کر نظروں کا رخ اپنی طرف پھیر دے۔ اس پس منظر میں امام ابو حنیفہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ والے طرز پر اہل علم کی ایک مجلس شوری ترتیب دی۔ تدوین فقہ کیلئے جن علوم اور جس معیار کی ضرورت ہوتی ہے وہ بہت بلند ہے۔ اس لحاظ سے اس علمی شوری کے ارکان کس معیار کے تھے۔ امام

المحدثین امام وکیعؒ کی زبانی سنئے۔

ابن کرامة قال کنا عند وکیع فقال رجل اخطأ أبوحنیفة فقال وکیع کیف یقدر ابوحنیفة یخطی ومعه مثل ابی یوسف وزفرؒ فی قیاسهما، ومثل یحیی بن ابی زائدة وحفص بن غیاث وحبان ومندل فی حفظهم الحدیث، والقاسم بن معن فی معرفته باللغة العربیة، وداؤد الطائی وفضیل بن عیاض فی زهدهما ورعهما من کان هؤلاء جلساؤه لم یکن یخطی لانه ان اخطاء رودہ تاریخ بغداد للخطیب 16/365۔

ترجمہ: ابن کرامہؒ فرماتے ہیں ہم امام وکیعؒ کے پاس تھے ایک آدمی نے کہا کہ (اس مسئلے میں) امام ابوحنیفہؒ نے خطا کی تو امام وکیعؒ نے فرمایا امام ابوحنیفہؒ کیسے خطا کرسکتے ہیں حالانکہ انکے ساتھ ابویوسفؒ اور زفرؒ اپنے قیاس کی مہارت سمیت موجود ہیں، اور یحیٰی بن ابی زائدہؒ، حفص بن غیاثؒ، حبانؒ اور مندلؒ جیسے حفاظ حدیث موجود ہیں۔ اور قاسم بن معنؒ عربی لغت کی معرفت کیساتھ موجود ہیں، اور داؤد طائیؒ اور فضیل بن عیاضؒ اپنے زہد و تقوی کیساتھ موجود ہیں۔ جس کے ہم نشین ایسے ہوں اس سے خطا نہیں ہوسکتی ہے۔ کیونکہ اگر اس سے خطا ہو تو یہ ہمنشیں انہیں حق کی طرف پھیر دیں گے۔ (وهذا إسناد جید رواة الروایة علی بن محمد بن الحسن بن محمد بن عمر بن سعید بن مالك الشهرة: علی بن محمد النخعی، النسب: النخعی، الکوفی الرتبة: ثقة۔ نجیح بن إبراهیم هو الزهری مولی آل سعد بن أبی وقاص الفقیه الکوفی الرمانی قال ابن حبان یغرب (الثقات لابن حبان ج9/ص220) قلت لا بأس به جید الحدیث ما لم یخالف فقد تعقبت أحادیثه وعامتها قد توبع علیها وروی عنه الحفاظ مثل الطبری وخیثمة بن سلیمان وابن الأعرابی ویحیی بن محمد بن صاعد وابنه إبراهیم أیضًا وغیرهم۔ ابن کرامة هو محمد بن عثمان محمد بن عثمان بن کرامة العجلی ثقة)

امت کی دیگر کئی قد آور شخصیات نے بھی اپنے طور پر فقہ مدون کی ان شخصیات کی مرتب فقہ نے ہر کس و ناکس کے مفتی بن کر شرعی مسائل میں رائے زنی کرنے کا راستہ منقطع کردیا۔ اس سے اختلاف کی راہیں کافی حد تک سمٹ گئیں۔ ان ائمہ میں سے اہل سنت کے چار فقہاء امام اعظم امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن

حنبلؒ کو امت کی طرف سے اپنی عقیدت ملی کر دیگر فقہاء کے مذاہب بے توجہی کی نذر ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ کتب اور ذہنوں سے محو ہوتے چلے گئے۔ صرف چار فقہار پر امت کا اعتماد ہو جانا کثرت اختلاف کی بساط سمٹنے کا پہلے سے زیادہ مؤثر ذریعہ ثابت ہوا۔ اور جمہور امت میں فقہی اختلاف سمٹ کر چار تک محدود ہو گیا۔ یہ چار مذاہب امت کی چار طبقاتی تقسیم نہیں، بلکہ اختلاف کی ہولناک کثرت صرف چار عدد میں سمٹ جانے کا ذریعہ بنا۔ یہ چاروں ائمہ امت کو چار پر تقسیم کرنے کا نہیں بلکہ ہزاروں ٹولیوں میں بٹتی ہوئی امت کے چار جگہ محفوظ ہونے کا ذریعہ ہے۔ تدوین کے زمانے میں ان مذاہب کو اسی نظر سے دیکھا گیا۔ اور نعمت عظمی جان کر اپنایا گیا۔ اہل زمانہ کی اتنی بڑی گواہی بارہویں صدی کے نادانوں کی منفی سوچ پر ایک کاری ضرب ہے۔ کہ لیس الخبر کالمعاینۃ آنکھوں سے دیکھنا اور سنی سنائی بات برابر نہیں ہوتی۔ صاحب البیت ادری بمافیہ گھر والا گھر کے حالات سے زیادہ باخبر ہوتا ہے۔ ان چار فقہاء اور کی فقہ کی عند اللہ مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ انکی وفات سے لیکر آج تک امت ان کے اعلیٰ دینی فہم کی ٹھنڈی چھاؤں تلے زندگی گزار رہی ہے۔ پھر انہی مذاہب سے وابستہ فاتحین نے دائرۂ اسلام کو وسیع کیا تو نئے ملکوں میں انہیں مذاہب کو ترویج ملی اور پورے پورے ملک کثرت اختلاف کی دھکم پیل سے محفوظ راستے پر چلنے لگے۔

احناف کثرت سے کیوں ہیں؟

- تدوین فقہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی کاوشیں اتنی اعلیٰ ہیں کہ امت نے ان کو چار ائمہ میں سے امام اعظم مانا ہے۔ اور انکی تحقیقات پر اعتماد کرنے والوں کا سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔
- دائرۂ اسلام کو وسیع کرنے میں احناف نے زیادہ مستعدی دکھائی ہذا نئے ممالک میں اکثر و بیشتر حنفیت کا تعارف ہوا۔

کثرت اختلاف کی دعوت کا آغاز

جمہور امت کے اس روشن طرز عمل کے خلاف برصغیر میں چند سروں نے الگ لائحہ عمل کو پسند کیا جو دانستہ یا نادانستہ اختلاف کی کثرت کو پسند کرنے کے مترادف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ ائمہ فقہاء کی تقلید کی بجائے از خود فیصلے کیے جائیں۔ برٹش حکومت کے غاصبانہ قبضے کے زمانے میں ان حضرات نے اختلات کو ہوا دینی شروع کی۔ اس نازک زمانے میں امت میں انتشار پیدا کرنا اور اختلافات کو ہوا دینا خود اس بات کی گواہی ہے کہ یہ طرز عمل نہ

اسلام کیساتھ خیر خواہی ہے نہ مسلمانوں کے ساتھ۔ جیسا کام ویسی بنیاد یہ حضرات اپنے اس کام میں اس طرح مشغول تھے اور اپنی کی کج فکری کے باعث مسلمانوں سے اتنے بد دل تھے کہ کہ انکا رجان مسلمانوں کی بجائے کفار کی طرف ہی رہا۔ انگریزوں اور مسلمانوں کے اختلاف میں انگریزوں کی پشت پناہی اختیار کی۔ اور اہلسنت احناف پر کیچڑ چھالنے کیلئے علمی خیرات اہل تشیع سے لی۔ ہماری اس بات کی تصدیق مولوی محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کی اس تحریر سے ہوتی ہے جو انہوں نے فقیر محمد جہلمی کی کتاب "السیف الصارم" پر تبصرہ میں لکھی۔ لکھتے ہیں

"امام الائمہ ابو حنیفہ علیہ الرحمہ پر جو اعتراضات اخبار اہل ذکر میں مشتہر کیے گئے ہیں یہ سب کے سب ہذیانات بلا استثناء اکاذیب اور بہتانات ہیں جس کا ماخذ زمانہ حال کے معترضین کیلئے حامد حسین شیعی لکھنوی کی کتاب استقصاء الافحام و اسیفاء الانتقام فی نقض منتھی الکلام کے سوا اور کوئی کتاب نہیں ہے اس کتاب میں اس قسم کے مطاعن سے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے علاوہ کسی سنی امام (امام مالک، امام بخاری وغیرہ) کو نہیں چھوڑا ایک ایک کا نام لے کر کئی ورق بلکہ کئی جزوں کو سیاہ کر ڈالا ہے۔"

بہت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمان ہونے کے دعوے کے باوجود انگریزوں کی پشت پناہی اور شیعوں سے خیرات لے کر اختلاف بڑھانے کا یہ ایجنڈا تشکیل دیا گیا۔ جس کے اثرات خود غیر مقلدین حضرات نے کچھ اس طرح لکھے

"25 برس کے تجربے کے بعد ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام ہی کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔"

(اشاعت السنہ)

اسلاف امت سے بے زار نعرہ

ہر شخص کو قرآن و حدیث میں رائے زنی دینے کا حق دینے کی آواز اٹھائی گئی۔ جس سے اختلاف کے چوراہے کھل کر امت نے اسی کثرت اختلاف کا شکار ہو جانا تھا جسے اسلاف نے ناپسند کیا تھا اور حکمت الہی نے اسے امت کی عملی زندگی سے نکال دیا تھا۔

اہل علم کی کاوشیں

اہل علم چونکہ عالم الغیب نہیں ہوتے ہیں کہ فتنہ پیدا ہونے سے پہلے ہی اسکے خدوخال سے واقف ہوں اور فتنے کو اٹھتے ہی مار گرائیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ کے زمانے میں فتنہ خوارج پیدا ہونے سے لے کر آج تک فتنوں کو اپنے ابتدائی دور میں کچھ نہ کچھ پذیرائی ضرور ملی۔ نئے اعتراضات پہلے ہی مشکل ہوتے ہیں۔ اوپر سے فساد کا دور ہے رائے کی آزادی ہر آدمی کو پسند ہے۔ چاہے وہ اس معاملے میں رائے رکھنا ہو یا نہ رکھتا ہو۔ لہذا ان اختلاف پسندوں کی دال گلنی شروع ہوگئی۔ اکابرین نے اس فتنے کے خدوخال کا بغور جائزہ لیا تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ چند احادیث جن کے فہم میں ائمہ کا مجتہدانہ اختلاف ہے انہیں دکھا کر احناف کو تارک حدیث اور خود کو اہل حدیث باور کراتے ہیں۔ تو اکابر نے امام ابو حنیفہؒ کے حدیثی مستدلات کتب حدیث کی شروحات، اور مختلف مجموعوں کی شکل میں پیش کئے، جن میں فقیہ ملت، امام اعظم، ابو حنیفہؒ کی فقہی آراء کے دلائل شرح وبسط کیساتھ بیان فرمائے۔ باقی کتب کی افادیت اپنی جگہ لیکن جدید اعتراضات کے شیش محل پر جو سنگ باری اعلاء السنن نے کی ہے وہ دیگر کتب نہیں کر پائیں۔ ذلك فضل اللّٰه یوتیه من یشاء

مصنف اور کتاب کا تعارف شام کے عظیم محدث شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کی زبانی

فرماتے ہیں۔

”قد تبارت همم المحدثين الفقهاء من كل عصر ومصر في جمع تلك الاحاديث في صعيد واحد لتكون مرجعا سهلا قريب المنال لكل متفقه ومستفيد. ومن افضل بل افضل ما الف فيها في هذا القرن الرابع عشر واوسعه جمعا من وجهة نظر سادة الحنفية كتاب "اعلاء السنن" تاليف شيخنا العلامه المحدث الفقيه الاصولى البارع المتتبع الشيخ "ظفر احمد العثماني التهانوى“

ترجمہ: ہر زمانے اور ہر علاقے میں احادیث احکام کو ایک ہی جگہ جمع کرنے کیلئے فقہاء محدثین کے حوصلے بلند رہے ہیں۔ تاکہ ہر متفقہ اور مستفید احادیث کی طرف بآسانی رجوع کر سکے اور انہیں اپنے قریب پائے۔ اس چودھویں صدی میں احادیث احکام کے متعلق لکھی ہوئی افضل کتابوں میں سے بلکہ ان میں سب سے افضل اور سب سے زیادہ جامعیت کی حامل کتاب " حضرات

احناف کے نقطہ نظر کے مطابق "اعلاء السنن" ہے۔ جو ہمارے شیخ علامہ محدث فقیہ ماہر اصولی باریک بین مولانا ظفر احمد عثمانی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔

سبب تالیف از علامہ ابو غدہ رحمہ اللہ

وکان سبب تالیف ھذا الکتاب النافع العظیم ما حدث من حوالی منتصف ھذا القرن اذ قامت فی بعض بلاد الھند قبل انقسام باکستان منھا نغمۃ من بعض الناس المسمین انفسھم "اھل الحدیث" زعموا فیھا ان مذھب السادۃ الحنفیۃ الذی ھو مذھب جمھور المسلمین فی تلك البلاد الواسعۃ العریضۃ یخالف الاحادیث النبویۃ فی کثیر من مسائلہ کما زعموا ایضا ان سادۃ الحنفیۃ یقدمون القیاس علی الحدیث الشریف وکما انکروا ایضا تقلید الائمۃ الاربعۃ المتبوعین رحمۃ اللہ علیھم واطالوا لسانھم فی جنب فقہ الحنفیۃ وجنب فقیہ الملۃ الامام ابی حنیفۃ بوجہ اخص فتصدی لرد ھذہ المزاعم الزائفۃ فحول العلماء فی تلك الدیار الھندیۃ وابطل ھذہ الدعاوی بالتالیف الحدیثیۃ الکثیرۃ المحققۃ وبینوا فیھا استناد السادۃ الحنفیۃ فی فقھھم ومذھبھم الی الاحادیث الشریفۃ وانھم یقدمون الحدیث الشریف حتی الحدیث الضعیف علی القیاس!!!

ترجمہ: اس عظیم المنفعت کتاب کی تالیف کا سبب: اس صدی میں تقسیم ہند سے پہلے ہندوستان کے بعض علاقوں میں کچھ نام نہاد اہلحدیث ایک نغمہ لے کر اٹھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ حنفی حضرات کا مذہب جو کہ بلاد ہند کی وسعتوں میں بسنے والے جمہور مسلمانوں کا مذہب ہے اپنے بہت سے مسائل میں احادیث نبوی کے مخالف ہے۔ اسی طرح انہوں نے یہ بھی گمان پیش کیا ہے کہ احناف قیاس کو حدیث شریف پر مقدم کرتے ہیں۔ اور انہوں نے ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہم) کی تقلید کا انکار کیا۔ اور فقہ حنفی پر زبان درازی کی خصوصا فقیہ ملت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر۔ تو ان "بدگمانیوں" کے رد کے لیے ہندوستان کے اکابر علماء کھڑے ہوئے اور انہوں نے ان دعووں کا بطلان حدیث کی بہت سی تحقیقی تالیفات کے ذریعے واضح کیا۔ اور فقہ حنفی کا احادیث شریفہ کے ساتھ رشتہ واضح کر دیا۔

نیز یہ بھی بیان کیا کہ احناف تو حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔(شیخ عبد الفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ کی بات مکمل ہو گئی)

معزز قارئین جب سے یہ مبارک کتاب منظر عام پر آئی ہے ان غیر مقلدین کی خارش رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی اگرچہ بہت سے حیلے کئے گئے۔ آخر ان کے ایک صاحب قلم ارشاد الحق اثری صاحب نے اس کے جواب میں "اعلاء السنن فی المیزان" لکھ کر گویا ایک سکون کی پڑیا" ان کے ہاتھوں میں تھما دی اس سے اگرچہ غیر مقلدین کو عارضی سکون اور اثری صاحب کو دنیائے غیر مقلدیت سے داد و تحسین وصول ہو گئی لیکن اس مہم کو سر انجام دیتے ہوئے ان کا دامن "علمی خیانتوں" سے کس قدر داغدار ہوا ہے اس حقیقت کو اشکارا کرنے کے لیے ہم نے اس عنوان پہ قلم اٹھایا ہے۔ ان حضرات نے "اعلاء السنن" نام کا مذاق اڑانے کی بھی کوشش کی ہے۔ اور معیار پر بھی انگلی اٹھائی ہے۔ لیکن خود اپنی صورت حال یہ ہے کہ کتاب کا نام رکھا ہے "اعلاء السنن فی المیزان" جس کا معنی ہے اعلاء السنن ترازو میں۔

کتاب کے نام اور کام میں فرق

"اعلاء السنن فی المیزان" اس نام کے دو جز ہیں

1. اعلاء السنن
2. المیزان

پہلے جز کا تقاضا

اعلاء السنن 21 جلدوں کے مجموعے کا نام ہے۔ جس میں اصول حدیث، اصول فقہ، احادیث کی روایت اور درایت کے حوالے سے بحث اور ان پر فقہی مسائل کا انطباق کیا گیا ہے۔ کل کتاب کا نام لینے والے کو کل کتاب پر ہی بحث کرنی چاہیئے۔

دوسرے جز کا تقاضا

ترازو کا مقصد صحیح تول پیش کرنا ہوتا ہے۔ لہذا "اعلاء السنن فی المیزان" نام کا تقاضا یہ تھا کہ اعلاء السنن پر صرف خشک تنقید کرنے کی بجائے ساتھ اپنا لائحۂ عمل بھی پیش کیا جاتا۔ یعنی اعلاء السنن کے پہلو بہ پہلو ایک کتاب مرتب کی جاتی۔ جس میں اعلاء السنن کے تمام فقہی اور حدیثی مباحث کا احاطہ کرتے۔ صحیح اور غلط کے بارے میں

اپنی مدلل رائے پیش کرتے۔ اپنی فقہی آراء پیش کرتے اور ان تمام مباحث میں اپنے معیار کے مطابق دلائل فراہم کرتے۔ اثری صاحب اپنے رکھے ہوئے نام کے تقاضے سے راہ فرار اختیار کرتے ہیں چونکہ ان حضرات کا علم اصلاحی اور مرتب مواد پیش کرنے سے ہمیشہ قاصر رہا ہے۔ لہذا انہیں ان تقاضوں سے پیچھے ہٹنا پڑا۔ انہی کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ پہلے تقاضے سے پیچھے ہٹتے ہوئے لکھتے ہیں

”ہماری یہ گزارشات اور تنقیحات اعلاء السنن کے صرف اٹھ اجزاء کے حوالے سے ہیں اللہ تعالی نے توفیق بخشی تو باقی اجزاء پر بھی ہم اپنی گزارشات قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنے کی کوشش کریں گے۔“

معزز قارئین 21 جلدوں میں سے صرف اٹھ اجزاء اور ان میں سے بھی صرف اصولوں پر کلام کر کے چلتے بنا جو کہ کل کتاب کا دسواں حصہ بھی نہیں بنتا۔ ان تمام ابواب سے متعلق اپنی فقہی رائے کا خوف کے مارے اظہار ہی نہ کر پانا ناقد کا پست قد اور کتاب کی عظمت بالکل واضح کر دیتا ہے اس پر مستزاد یہ کہ ان کو یہ کتاب لکھے تقریبا 11 سال بیت چکے ہیں انکی دیگر کتب تو منظر عام پر آرہی ہیں لیکن اعلاء السنن سے کچھ یوں سٹپٹا کر بھاگے ہیں کہ باقی گزارشات پیش کرنے کا وعدہ آج کی صبح تک وفا نہیں ہو سکا۔

دوسرے تقاضے سے پیچھے ہٹتے ہوئے لکھتے ہیں

”ہم نے اس میں فقہی مباحث سے تعرض نہیں کیا کہ اہل علم اس بارے میں اپنی اپنی داد تحقیق پیش کر چکے ہیں اور طلبہ علم انہیں دیکھ کر کسی نتیجے پر پہنچ سکتے ہیں ہم نے یہاں ان قواعد اور اصولوں کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے جن کو مولانا عثمانی نے حدیث کی تصحیح و تضعیف میں اختیار کیا ہے“ انتھی

معزز قارئین کیا اعلاء السنن صرف اصول حدیث کی کتاب ہے؟ یا اس میں اصول حدیث، اصول فقہ حدیث کی روایت اور درایت کے حوالے سے بحث کیساتھ فقہی مسائل کا ان پر انطباق کیا گیا ہے؟ جب یہ کتاب اس معیار کیساتھ فقہائے محدثین کے طریقے پر لکھی گئی تھی تو بعض ناقدین کا صرف فقہی مباحث پر اور بعض کا صرف اصولی مباحث پر بحث کرنا کس مرض کی دوا ہے۔ تفصیل کتاب میں آئے گی مختصراً یہاں سمجھیئے کہ درپردہ یہ بات کار فرما ہے کہ اگر اصولوں کے ساتھ مسئلے کی فقہی حیثیت بتاتے تو اعلاء السنن میں مسئلے اور حدیث کی حیثیت

برابر ہونے کی وجہ سے جناب کا سارا پول کھل جاتا تھا۔ مسئلہ مستحب اور افضل غیر افضل کا ہو تو عثمانی صاحب ایک درجے کی حدیث کو قبول فرماتے ہیں۔ لیکن اسی درجے کی حدیث جب قوی دلائل سے ٹکرا رہی ہوتی ہے تو نہیں لیتے۔ یہاں ناقد صاحب مسئلے کی حیثیت اور دیگر دلائل کا پس منظر عوام کی نظروں سے ہٹا کر ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں کہ کسی طرح علامہ عثمانی کو متضاد بیان ثابت کیا جائے۔

کیا یہ دوہرا اختصار اثری صاحب کے کام آسکا؟

اس دوہرے اختصار کے باوجود اثری صاحب کو اس عظیم کتاب پر تنقید کرنے کے لیے کیسی کیسی بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑا۔ عبارتیں کاٹیں، واضح معنی کو چھوڑ کر من مانے مطلب نکالے اور دلچسپ ترین بات یہ ہے کہ بعض حضرات کو سہارا لیتے وقت درست اور دیگر مقامات پہ غلط کہا گیا۔

تنقیدی کتاب کا معیار

انہوں نے جس اعلاء السنن پر تنقید کی ہے۔ وہ ایک ضخیم کتاب ہے۔ اس کی ایک ایک حدیث گن کر بتانا کہ حدیث کی کس کتاب سے لی گئی ہے خاصے وقت کا تقاضا کرتا ہے۔ تاہم ہم نے پہلی جلد کے پہلے 140 صفحات کی احادیث گنی ہیں۔ باقی قارئین خود دیکھ سکتے ہیں۔ ان 140 صفحات میں 31 احادیث بخاری و مسلم سے، 5 مؤطا امام مالک سے، 5 صحیح ابن سکن سے، 27 ابوداؤد سے، 19 ترمذی سے، 10 نسائی سے، 12 ابن ماجہ سے، 18 مسند احمد سے یہ مشہور کتب کے ہم نے نام لکھے ہیں۔ باقی دیگر حدیث کی کتب سے۔ لیکن جناب کی تنقید کا معیار دیکھئے کہ بے دھڑک بلکہ رضا اور رغبت کے ساتھ کل کتاب کا موضوعات (من گھڑت احادیث) سے بھرا ہوا ہونا نقل کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ان کے اس بات سے احادیث مبارکہ پر تو کوئی آنچ نہیں آتی ہے ہاں ان کی تنقیدی کتاب کا معیار عوام و خواص سب کے سامنے آجاتا ہے۔ کتاب کے نام کی پاسداری اور معیاری کام سے محرومی کے باوجود انہیں جس چیز نے اس "ذلت آمیز" نتیجے تک پہنچایا ہے وہ غالبا "وتعز من تشاء وتذل من تشاء" کا نظام ہے۔

ہمارا مطالبہ

ہم اپنی بات ایک تعمیری مطالبے پر ختم کرتے ہیں!

"ہمارا مطالبہ ہے کہ فرقہ اہل حدیث کے علماء اپنی طرف سے مقبول احادیث مبارکہ اور فقہی ابواب کا ایک متفقہ اور معتمد علیہ مجموعہ پیش کریں۔ چونکہ اپ گزشتہ ائمہ کے بارے میں

فرماتے ہیں کہ ان تک یہ احادیث نہیں پہنچ سکی تھیں۔ اب آپ کو پہنچ چکی ہیں تو اپ ایک مکمل نظام عمل تشکیل دیں۔ یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ آپ کی تحقیقات پر ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے معتمدین جتنا بڑا عدد مطمئن ہو جائے بس اہل حدیث نام کا یہ ایک مختصر سا فرقہ ہی مطمئن ہو جائے۔ تخریبی کاروائیاں بہت ہو چکیں اب تعمیری کام کی طرف آئیں۔"

(جاری ہے)

مولانا خیر الامین قاسمی صاحب

استاد المحدثین شیخ سلیم اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت

"عوام وخواص کو چاہیے کہ وہ ماضی قریب کے امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ، وکیل صحابہ مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ، اور وکیل احناف مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ کی تحقیقات پر مضبوط اعتماد رکھیں"

[مولانا سلیم اللہ خان رئیس جامعہ فاروقیہ کراچی یوم الجمعۃ ۲ صفر ۱۴۳۵ھ 6 دسمبر 2013]

[ماہنامہ الشریعہ خصوصی اشاعت جون 2014ء صفحہ 155]

مفتی رب نواز حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ (پانچویں اور آخری قسط)

اسم بامسمی یعنی نام کی طرح دلائل میں بھی سرفراز

(اصلاح غیر مقلدیت پہ لکھی گئی حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر رحمہ اللہ کی سات کتابوں کا تعارف)

غیر مقلدین کی بے اعتدالیاں

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے تین طلاقوں کے تین ہونے کو نافذ فرمایا۔ غیر مقلدین اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ شرعی نہ تھا، بلکہ سیاسی تھا۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے فعل کو شرعی نہ ماننا غیر مناسب عمل ہے۔ خود غیر مقلد عالم مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے اس کی یوں تردید کی:

> ”حضرت عمرؓ کی نسبت یہ تصور دلانا کہ انہوں نے معاذ اللہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو بدل ڈالا، بہت بڑی جرأت ہے واللہ اس عبارت کو نقل کرتے وقت ہمارا دل دہل گیا اور حیرانی ہوگئی کہ ایک شخص جو خود مسئلہ کی حقیقت نہیں سمجھا وہ خلیفہ رسول اللہ کی نسبت یہ خیال رکھتا ہو کہ وہ سنت کے بدلنے میں اس قدر جری تھا... آخر میں ہم پھر دہراتے ہیں کہ متقدمین میں سے امام مالک کا مؤطا، پھر امام شافعی کی کتاب الام، پھر متاخرین میں سے شاہ ولی اللہ صاحب کی ازالۃ الخفا ملاحظہ فرمایئے... ان سب کتب میں حضرت عمرؓ کی موافقت دلائل شرعیہ سے کی گئی ہے۔“

(اخبار اہلِ حدیث امرتسر، ۱۵/ نومبر ۱۹۲۹ بحوالہ عمدۃ الاثاث)

سیالکوٹی صاحب تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر سنت بدل دینے کے الزام پر حیران ہو رہے ہیں حالاں کہ رئیس محمد ندوی غیر مقلد نے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ پر قرآنی فیصلہ تبدیل کرنے کا الزام عائد کر دیا ہے۔ چنانچہ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں:

> ”موصوف نے بہ اعتراف خویش اس قرآنی حکم میں ترمیم کر دی، اس قرآنی حکم میں موصوف نے یہ ترمیم کی کہ تین (طلاقیں) قرار پانے لگیں۔“

(تنویر الآفاق فی مسئلہ الطلاق صفحہ ۴۸۷)

مزید کئی بے اعتدالیاں غیر مقلدین سے سر زد ہوئیں ہیں مثلاً رئیس محمد ندوی نے اپنی کتاب ''تنویر الآفاق''میں تین طلاقوں کے قائل صحابہ کرام پر جارحانہ حملے کئے ہیں جسے یہ کتاب میسر نہ ہو وہ حضرت مولانا محمد ابو بکر غازی پوری صاحب کی کتاب ''غیر مقلدین کا صحابہ کرام کے بارے میں نقطۂ نظر''کا مطالعہ کرے اس میں ان کی جارحانہ عبارتوں کو نقل کر کے رد کیا گیا ہے۔

عمدہ الاثاث مختصر اور جامع کتاب ہے

غیر مقلدین کی بے اعتدالیوں کے جواب میں کئی کتابیں معرضِ وجود میں آئیں مثلاً حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کی ''الازھار المربوعة''، حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی صاحب کی دو کتابیں: تاریخ طلاقِ ثلاثہ... اور.. تین طلاقیں اور حلالہ مشمولہ تجلیاتِ صفدر جلد چہارم طبع ملتان وغیرہ۔ مگر ان میں سب سے زیادہ مشہور ''عمدۃ الاثاث'' ہے جو دَور حاضر کے ایک معرکۃ الآراء مسئلہ پر لکھی گئی ہے مگر نہایت اختصار کے ساتھ۔ اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ (جو مصنف عمدۃ الاثاث کے استاد بھی ہیں) نے اس کتاب کو موضوع کے حوالہ سے کافی بتایا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ اس پر شاہد ہے کہ اظہارِ غضب کے باوجود آپؐ نے تین طلاقوں کو نافذ فرمایا جس کے بہت سے واقعات کتب حدیث میں مذکور ہیں اور جن علماء نے اس مسئلہ پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اُن میں ان واقعات کو جمع کر دیا ہے۔ حال میں مولانا ابو االزاہد محمد سر فراز صاحب کی کتاب ''عمدۃ الاثاث'' بھی اس مسئلہ پر شائع ہوگئی ہے جو بالکل کافی ہے۔''

(معارف القرآن: ۱/ ۵۶۳)

مسئلہ قربانی

رد غیر مقلدیت پر لکھی گئی کتابوں میں سے حضرت مولانا محمد سر فراز خان صفدر رحمہ اللہ کی ایک کتاب ''مسئلہ قربانی'' ہے۔ مولانا عبد الحق خاں بشیر صاحب حفظہ اللہ نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے:

''حضرت نور اللہ مرقدہ نے اس رسالہ میں منکرین حدیث کے اس طبقہ کا رد کرتے ہوئے جو خود کو اہلِ قرآن کہلاتا ہے اور قربانی کو خلاف اسلام اور جانوروں کا ضیاع قرار دیتا ہے،

ٹھوس دلائل سے ثابت کیا ہے کہ قربانی ایک مسنون عمل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اہلِ حدیث حضرات کے موقف کے جواب میں، جو تین دن کی بجائے چار دن تک قربانی کا قائل ہے یہ واضح کیا ہے کہ جمہور اہل سنت کے نزدیک قربانی کے تین ہی ایام ہیں۔ اس رسالہ کے جواب میں حافظ محمد ابراہیم غیر مقلد نے ''ایام قربانی'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القیوم ہزاروی زید مجد ہم نے اس کا جواب ''سیف یزدانی'' کے نام سے تحریر فرمایا جو ''مسئلہ قربانی'' کی طبع دوم کے ساتھ ہی شائع ہوا۔''

(الشریعہ خصوصی اشاعت، بیاد امام اہلِ سنت صفحہ ۱۴۷)

بشیر صاحب نے ایام قربانی کا مصنف حافظ محمد ابراہیم بتلایا ہے مگر مسئلہ قربانی میں مندرج ''سیف یزدانی'' کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایام قربانی حافظ محمد قاسم کا لکھا ہوا رسالہ ہے واللہ اعلم۔

حضرت مولانا محمد سر فراز خاں صفدر علیہ الرحمۃ لکھتے ہیں:

''ہماری طرف سے اس کے جواب الجواب میں ایک چھوٹا رسالہ شائع ہوا جس کا نام ''سیف یزادانی'' ہے جس کا جواب تادمِ تحریر ہماری نظر سے نہیں گزرا۔''

(مسئلہ قربانی صفحہ ۳)

سیف یزدانی کا جواب میری نظر سے بھی نہیں گزرا۔ اس کے برعکس غیر مقلدین کے مصنف شیخ زبیر علی زئی نے بجائے تردید کے جمہور کے مسلک کے مطابق قربانی کے تین دن ہی قرار دیئے ہیں اور چوتھے دن قربانی والے نظریہ کا انکار کر دیا ہے۔ اور بھی کئی غیر مقلدین مثلاً شیخ غلام مصطفی ظہیر، شیخ فاروق رفیع اور خرم شہزاد محمدی بھی تین دن کے قائل ہیں اور چوتھے دن سے انکاری۔ حوالہ جات بندہ کی کتابوں ''زبیر علی زئی کا تعاقب'' وغیرہ میں منقول ہیں۔

(۱) بخاری و مسلم میں سیدنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ تم میں سے جو شخص قربانی کرے تو تیسری رات کے بعد اس کے گھر میں قربانی کے گوشت کی ایک بوٹی بھی نہیں ہونی چاہیے۔

(بخاری: ۲/ ۸۳۵، مسلم: ۲/ ۱۵۸)

حضرت مولانا محمد سر فراز خان صفدر صاحب نے علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ کے حوالہ سے لکھا:

”ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دن سے زائد قربانی کا گوشت ذخیر رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے کیوں کہ جس وقت تک قربانی کا گوشت رکھنا درست نہیں، اس وقت قربانی کرنا بھی صحیح نہیں ہے۔“

(مسئلہ قربانی صفحہ ۲۷)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

”نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابتداء میں تین دن سے زیادہ قربانی کا گوشت رکھنے سے منع فرمایا تھا۔ بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ یہ ممانعت اس کی دلیل ہے کہ قربانی تین دن ہے والا قول ہی راجح ہے۔“

(فتاویٰ علمیہ المعروف توضیح الکلام: ۲/۱۸۱)

۲۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صفدر رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر، سیدنا انس بن مالک، سیدنا عبد اللہ بن عباس، سید ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کا موقف نقل کیا کہ وہ تین دن قربانی کرنے کے قائل تھے۔ (مسئلہ قربانی)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی انہی صحابہ کرام سے تین دن قربانی کا مسلک نقل کیا اور ان آثار کو سنداً صحیح یا حسن تسلیم کیا ہے۔ (فتاویٰ علمیہ)

۳۔ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب نے تین دن قربانی کو جمہور کا موقف بتلایا ہے۔ (مسئلہ قربانی صفحہ ۲۵)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی اس موقف کو جمہور صحابہ کرام کا مسلک بتایا ہے۔ ان کے الفاظ یہ ہیں:

”سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور جمہور صحابہ کرام کا یہی قول ہے کہ قربانی کے تین دن (عید الاضحیٰ اور دو دن بعد) ہیں ہماری تحقیق میں یہی راجح ہے اور امام مالک وغیرہ نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔“

(فتاویٰ علمیہ: ۲/۱۸۱)

۴۔ غیر مقلدین ایک روایت پیش کیا کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”ایام تشریق ذبح کے دن ہیں۔“ پھر کہتے ہیں کہ ایام تشریق میں آخری دن تیرہویں ذوالحجہ کا ہے لہذا قربانی کے دن چار ہوئے۔ حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے اس کے ضعف پر دلائل نقل کئے۔ (مسئلہ قربانی صفحہ ۳۳)

شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد نے بھی اسے ضعیف قرار دیا چنانچہ وہ اس روایت پر دو صفحات میں جرح نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

"خلاصہ التحقیق: ایام تشریق میں ذبح والی روایت اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہذا اسے صحیح یا حسن قرار دینا غلط ہے۔"

(فتاویٰ علمیہ: ۲/۱۷۹)

ینابیع اردو ترجمہ رسالہ تراویح

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ نے مسئلہ تراویح پر کتاب لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے ہوئے لکھا تھا:

"تراویح کے مسئلہ پر الگ رسالہ کی ترتیب پیشِ نظر ہے اس لیے ہم اس پر یہاں بحث نہیں کرنا چاہتے۔ اس میں ہم بفضلہٖ تعالیٰ بتائیں گے کہ آیا صلوٰۃ التراویح کا حضرات خلفائے راشدین سے ثبوت ہے یا نہیں؟ اور جب انہوں نے اس پر عمل شروع کیا تو کیا اس پر انہوں نے مواظبت کی تھی یا نہیں؟ یہ اور اس قسم کے اور کئی مسائل ان شاء اللہ وہاں ہی عرض ہوں گے۔"

(الکلام المفید صفحہ ۲۶۰)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت صفدر رحمہ اللہ تراویح کے عنوان پہ کتاب لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے مگر میری معلومات کے مطابق حضرت کو اس عنوان پہ کتاب لکھنے کا موقع نہیں ملا۔ اگر لکھ لیتے تو عوام و خواص کو بہت فائدہ ہوتا۔ اگرچہ اَب کئی سالوں سے حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی کتاب "رکعاتِ تراویح ایک تحقیقی جائزہ" منظر عام پہ آگئی ہے جس سے علماء، طلبہ اور عوام فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی حسرت باقی ہے کہ اس عنوان پہ ہم حضرت مولانا صفدر رحمہ اللہ کے علمی شہ پاروں سے محروم ہی رہے۔

حضرت اگرچہ تراویح پر کوئی مستقل کتاب تحریر نہیں کر پائے مگر اتنی بات ضرور ہے کہ انہوں نے اس موضوع پر لکھے گئے ایک رسالہ کا اردو میں ترجمہ کر کے شروع میں مقدمہ کا اضافہ کر دیا۔ ذیل میں اسی رسالہ کا تعارف کرانا مقصود ہے وباللہ التوفیق۔

صحابہ کرام کے دَور سے اُمت کا تعامل یہی چلا آرہا کہ اُمت بیس رکعات تراویح پڑھتی چلی آرہی ہے۔ غیر مقلدین نے جہاں اور بہت سے دینی مسائل میں الگ راہ اختیار کی ہے وہاں بیس رکعات تراویح کا انکار کر دیا

بلکہ بعض نے تو اسے بدعت بھی کہہ دیا۔ انہیں میں سے ایک نمایاں نام مولانا محمد حسین بٹالوی کا ہے جو اپنے حلقہ میں وکیل اہلِ حدیث کہلائے جاتے ہیں۔ مولانا عبد المجید سوہدروی غیر مقلد نے ان کے متعلق لکھا:

"لاہور میں آٹھ تراویح کی ترویج آپ ہی سے ہوئی... حکومت کی خدمت بھی کی اور انعام میں جاگیر پائی۔"

(حاشیہ: سیرت ثنائی صفحہ ۴۵۲)

بٹالوی صاحب نے جب آٹھ رکعات تراویح کی تشہیر کے ساتھ ساتھ بیس رکعات کو بدعت قرار دیا تو ان کے خلاف خود ان کے اپنے غیر مقلد عالم مولانا غلام رسول صاحب میدان میں آگئے۔ اگر اہلِ سنت میں سے کوئی ان کی تردید کرتا تو غیر مقلدین یہ کہہ کر ٹال دیتے کہ یہ تحقیق نہیں ہے، یہ تو اپنے امام کا بھرم رکھنے کے لیے لکھی گئی ہے اور اس میں دلائل کی بجائے کی اپنے متبوع امام کا پاس و لحاظ رکھا گیا مگر اللہ کی مرضی کہ اس نے غیر مقلدین ہی کے بزرگ کو اس کارد لکھنے کی توفیق بخشی۔ مولانا محمد اسحاق بھٹی کی تحریر کے مطابق مولانا غلام رسول صاحب قلعہ میاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ تھے ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے، ۶۳ سال عمر پاکر ۱۲۹۱ھ میں فوت ہوئے۔ (برصغیر کے اہلِ حدیث خدام قرآن صفحہ ۴۲۲)

اور غیر مقلدین کی تصریح کے مطابق وہ میاں نذیر حسین دہلوی کے شاگرد بھی ہیں۔ (الحیاۃ بعد المماۃ صفحہ ۶۹۰، تاریخ اہلِ حدیث صفحہ ۴۸۲)

مولانا محمد اسحاق بھٹی لکھتے ہیں:

"حضرت میاں سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی سند پر لکھا تھا کہ مولوی عبد اللہ المعروف غلام رسول نہایت ذہین طبع، بے حد نیک، بلند اخلاق و عالی کردار شخص ہیں۔"

(اہلِ حدیث خدام قرآن صفحہ ۴۲۳)

مولانا غلام رسول صاحب کو غیر مقلدین صاحب کرامت بزرگ کہا کرتے ہیں۔ یعنی ان کے ہاں ولی اللہ کہلائے جانے والے بزرگ آٹھ تراویح کی بجائے بیس کے نہ صرف قائل ہیں بلکہ اس پر انہوں نے مستقل رسالہ بھی تحریر کیا۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی ان کی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا غلام رسول نے کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں فتاویٰ مولوی غلام رسول اور فارسی میں "رسالہ تراویح" وغیرہ شامل ہیں۔"

(اہلِ حدیث خدام قرآن صفحہ ۴۲۵)

مولانا غلام رسول صاحب نے جب بٹالوی صاحب کی تردید میں "رسالہ تراویح" لکھا تو اس میں بیس رکعات تراویح کو ثابت کرنے کے ساتھ ساتھ بٹالوی صاحب کو غالی قرار دیا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"فعل صحابہ و تابعین وائمہ اربعہ و فعل سواد اعظم مسلمین شرقا و غربا از عہد عمر فاروق تا ایں وقت ہمہ بیست و سیہ میخوانند بخلاف ایں مفتی غالی کہ بدعت و مخالف سنت میگوید و راسہ افراط مے پوید"

حضرات صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروق کے زمانہ سے لے کر اس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئیں رکعات (بیس تراویح اور تین وتر) ہی پڑھتے رہے بخلاف اس غالی مفتی کے کہ وہ اس کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور افراط کی رہ پہ چلتا ہے۔"

(رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع صفحہ ۲۸)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دَور سے لے کر ۱۲۹۰ھ تک جس میں مولانا غلام رسول صاحب نے یہ رسالہ لکھا ہے موصوف کے علم میں کوئی بیس رکعت تراویح کے خلاف نہ تھا اور سبھی بیس ہی کو سنت سمجھتے اور ادا کرتے تھے مگر محمد حسین صاحب اور اسی طرز کے بعض اور غلو پسند لوگوں نے امت مسلمہ کی وحدت میں افتراق کی راہ پیدا کر دی۔ (ینابیع صفحہ ۹)

مولانا غلام رسول صاحب نے آٹھ کی تردید اور بیس کے اثبات میں جو "رسالہ تراویح" لکھا ہے وہ فارسی زبان میں ہے اس دَور میں لوگ فارسی زبان اس قدر سمجھ اور بول سکتے تھے جس طرح آج اہلِ پاکستان اردو بولتے اور سمجھتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد سرفراز صاحب رحمہ اللہ نے اس رسالہ کا فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا ہے اور شروع میں بیس صفحات پر مشتمل مقدمہ بھی لکھا ہے، اپنے اس اردو ترجمہ کا نام "ینابیع" رکھا۔ مگر فارسی متن بھی باقی رکھا ہے۔ ہماری دانست کے مطابق آٹھ رکعات تراویح کے قائل غیر مقلد لوگ نہ تو مولانا غلام رسول

صاحب کے رسالہ تراویح کا جواب لکھ سکے ہیں اور نہ ہی انہوں نے اب تک حضرت مولانا صفدر رحمہ اللہ کے مقدمہ کا جواب شائع کیا ہے۔

مولانا محمد اسحاق بھٹی نے مولانا غلام رسول صاحب کے حالاتِ زندگی پر اک مستقل کتاب بنام ”تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی“ لکھی۔ اس میں بھی ”رسالہ تراویح“ کا ذِکر ہے۔ اس میں بھٹی صاحب نے نہ صرف بیس تراویح کو ٹھیک کہا بلکہ بیس پڑھنے والوں کو قرآن کا عامل تسلیم کیا۔ چنانچہ انہوں نے تراویح کی تعداد پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

”اگر علمائے کرام جھگڑنے کے موڈ میں نہ ہوں تو اس مسئلے پر ایک اور طریقہ سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ تروایح بیس ہوں یا آٹھ، دونوں صورتوں میں حفاظِ قرآن بالعموم ایک پارہ پڑھتے ہیں اور مقتدی سنتے ہیں۔ آٹھ پڑھیں گے تو قیام زیادہ ہو گا اور اس میں اللہ کے اس حکم پر عمل کیا جائے گا وقوموا للّٰہ قانتین۔ (البقرۃ: ۲۳۸)“اور اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے رہو۔“بیس تراویح پڑھیں گے تو رکوع و سجود زیادہ ہوں گے، یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل ہو گا۔ ﴿یایھا الذین آمنوا ارکعوا وسجدوا واعبدوا ربکم﴾ (الحج: ۷۷)“ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔“

(حرف چند تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی: ۵۸)

اس عبارت میں بھٹی صاحب نے بیس تراویح پڑھنے والوں کو قرآن کی آیت: ”ارکعوا وسجدوا الخ“ پہ عمل کرنے والا کہا ہے۔

بھٹی صاحب نے آگے لکھا:

”کوئی بیس پڑھے، چالیس پڑھے، ساری رات پڑھتا رہے، آٹھ پڑھے ہمارے نزدیک سب ٹھیک ہے۔“

(حوالہ مذکورہ: ۵۹)

آخری گذارش

ہم نے حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کی تصنیفی خدمات کے حوالہ سے جو یہ مضمون لکھا

ہے اس میں غیر مقلدیت کی اصلاح میں لکھی گئی کتابوں کا تعارف اور ان کے دلائل کا وزن بیان کرنا مقصود تھا، اسی لیے ان کی دیگر تصانیف کو زیر بحث نہیں لایا گیا۔ ہماری معلومات کے مطابق اصلاح غیر مقلدیت کے حوالہ سے ان کی صرف یہی کتابیں ہیں:

۱۔ احسن الکلام، ۲۔ الکلام المفید، ۳۔ طائفہ منصورہ۔ ۴۔ مقام ابی حنیفہ۔ ۵۔ عمدۃ الاثاث۔ ۶۔ مسئلہ قربانی۔ ۷۔ ینابیع ترجمہ رسالہ تراویح۔ جن کے متعلق ہم اپنے تاثرات کا اظہار کر چکے ہیں۔ اصلاح غیر مقلدیت کے حوالہ سے ہم ان کی کسی اور کتاب پر مطلع نہیں ہو سکے۔

تنبیہ:

بندہ کا یہ مضمون قریباً دس سال پہلے کا لکھا ہوا ہے۔ اسی وقت یہ مضمون ایک رسالہ میں اشاعت کے لئے بھیجا تھا۔ کچھ عرصہ بعد اس کا تذکرہ ہوا تو مدیر صاحب نے اس سے لاعلمی ظاہر کی یعنی یہ مضمون انہیں پہنچا ہی نہیں یا پھر اُن سے گم ہو گیا ہو گا۔ بہر حال اس کی کاپی میرے پاس موجود تھی اس کاپی کو سامنے رکھ کر اسے کمپوزنگ کے مراحل سے گزارا اور دو تین حوالوں کا اضافہ بھی کیا۔ دعا ہے کہ اللہ اس کاوش کو قبول فرمائے، آمین۔

محترم ابو سعد لئیق رحمانی صاحب حفظہ اللہ

مولانا امین القادری کا حالیہ متنازع بیان اور اکابر علماء دیوبند کی توثیق

(مولانا امین القادری کے مسلمات سے)

(نوٹ: یہ تحریر تقریباً ڈیڑھ ماہ قبل دسمبر 2023 میں ہی لکھی گئی تھی، مگر چونکہ اُس وقت مفتی حسنین صاحب اور مولانا امین القادری صاحب کے درمیان مناظرے کی بات چلنے لگی تھی اس وجہ سے اس وقت شائع نہ کرسکا)

15 دسمبر 2023ء کو مولانا امین القادری نے اپنے بیان میں "حسام الحرمین" نامی کتاب کا ذکر کرتے ہوئے اکابر علماء اہل السنت دیوبند پر یہ الزام لگایا کہ "انہوں نے نبی پاک ﷺ کو گالیاں دی ہیں" (نعوذ باللہ استغفر اللہ) اور اسی ضمن میں مولانا نے انتہائی غیر سنجیدہ، بلکہ گھٹیا اور بازاری زبان کا استعمال کرتے ہوئے اکابر علماء دیوبند کو "غنڈہ" قرار دیا ہے۔ اس بیان پر شہر و بیرونِ شہر کے علمی و سنجیدہ حلقہ میں مولانا موصوف کی جو کِر کری ہوئی وہ تو ایک طرف؛ درج ذیل تفصیلات کے مطابق یہ بیان خود مولانا موصوف کے اپنے مسلمات کے بھی خلاف ہے۔ تفصیل عرض کرنے سے پہلے قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ،

"میں بندہ عاجز لئیق رحمانی پہلے خود بریلوی تھا اور مولانا امین القادری صاحب سے میرے اچھے تعلقات تھے۔ مولانا موصوف مجھے اپنا چھوٹا بھائی کہتے تھے، اس وجہ سے اگرچہ اب ہمارے راستے جدا ہو چکے ہیں لیکن میں اب بھی مولانا امین القادری صاحب کی عزت کرتا ہوں۔ مولانا موصوف سے میرا نظریاتی، فکری و مسلکی اختلاف ہے اور رہے گا، مگر اس تحریر میں، میں ناقدانہ و جارحانہ انداز اختیار کرنے کے بجائے مصلحانہ انداز اختیار کروں گا کیونکہ مولانا موصوف نے کبھی مجھے اپنا بھائی کہا تھا لہٰذا میں اپنی زمہ داری سمجھتا ہوں کہ اپنے بھائی کی اصلاح کی کوشش کروں۔ مجھے امید ہے کہ مولانا موصوف میری ان سنجیدہ معروضات پر سنجیدگی سے غور فرمائیں گے۔!!

آمدم بر سر مطلب: چند سال قبل مولانا امین القادری نے مالیگاؤں کے مشہور و معروف بزرگ حضرت مولانا محمد اسحاق مقصد نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 1928ء) کی سوانح مرتب کی تھی جو "حیات مقصد" کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مولانا امین القادری صاحب کو حضرت مولانا محمد اسحاق اور ان کے شیخ مولانا سید برکت علی کلکتوی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑی عقیدت ہے اور قادری صاحب اِن بزرگوں کو ولی کامل اور اپنا اکابر بزرگ مانتے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہوگا کہ اکابر علماء دیوبند کے متعلق اِنہی بزرگوں کے متعلقین، مریدین، خلفا و مشائخ، کے خیالات، مواقف، آراء پیش کر دیئے جائیں۔

نمبر ا: مولانا محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ کے تمام تذکرہ نگار بشمول مولانا امین القادری اس پر متفق ہیں کہ آپ نے تعلیم دیوبندی مدرسہ جامع العلوم کانپور میں دیوبندی علماء دین، بالخصوص مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء سے حاصل کی، اور اس پر بھی تذکرہ نگاروں کا اتفاق ہے کہ مولانا محمد اسحٰق نے مدرسہ بیت العلوم کے "جلسہِ دستار بندی" میں دیوبندی علماء دین شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی و قاری محب الدین الہ آبادی کو مدعو کیا تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ مولانا اسحٰق کے مشائخ کرام کا تعلق دیوبندی مکتبۂ فکر سے تھا۔ اب مولانا امین القادری خود غور فرمائیں کہ اگر مولانا محمد اسحٰق رحمۃ اللہ علیہ بھی آپ کی طرح اکابر علماء دیوبند کو "غنڈہ اور کافر" سمجھتے تو ان سے تعلیم کیوں حاصل کرتے اور اپنے شاگردوں کو دستار فضیلت پہنانے کے لیے دیوبندی علماء کو کیوں مدعو کرتے؟ نیز ایسے مشائخ کے سلسلہ میں بیعت کیوں ہوتے جن کا تعلق اکابر دیوبند سے ہو؟

نمبر ۲: "حسام الحرمین" اور "الصوارم الہندیہ" کے رد میں اور اکابر علماء دیوبند کے دفاع میں مرتب کی گئی کتاب "برأۃ الابرار" کسی تعارف کی محتاج نہیں، تاہم جو نہیں جانتے ان کے لیے اس کتاب کا مختصر تعارف یہ ہے کہ مولانا عبد الرؤف خاں جگن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفتاء لکھ کر برصغیر کے چھ سو سے زائد علماء کرام کو بھیجا اور جواب طلب کیا۔ اُس وقت کے 616 علماء نے علماء دیوبند کے حق میں جو فیصلہ دیا یہ کتاب اسی کی تاریخی دستاویز ہے۔

مولانا عبدلرؤف خاں جگن پوری کے استفتاء کا جواب مالیگاؤں کے علماء کی طرف سے مولانا محمد نقی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا تھا جو تقریباً چودہ صفحات پر مشتمل ہے اور "برأۃ الابرار" میں درج ہے۔ مولانا محمد نقی نقشبندی یہ وہی بزرگ عالم دین ہیں جو مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مدرسہ بیت العلوم کے

صدر مدرس بنائے گئے۔ "برأۃ الابرار" میں مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد مولوی محمد عثمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ (مالیگاؤں) کے بھی دستخط موجود ہیں۔ اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس کتاب میں مولانا محمد اسحاق کے پیر بھائیوں یعنی مولانا سید برکت علی نقشبندی کلکتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مریدین و خلفاء کے دستخط بھی ہیں۔ چنانچہ "برأۃ الابرار" کے صفحہ 409 پر اکابر علماء دیوبند کے متعلق مدرسہ عالیہ کلکتہ کی جانب سے لکھی گئی یہ تحریر درج ہے:

"یہ سب حضرات مسلمان اہلسنت والجماعت اور حنفی المذہب تھے۔ کافر نہ تھے جب تک زندہ رہے اسلام کی خدمت کرتے رہے فقہ حنفی اور احادیث نبوی کی اشاعت میں جو خدمتیں ان حضرات نے انجام دیں وہ سب کو معلوم ہیں۔ انتقال کے بعد بھی انکا فیض جاری ہے ان کے شاگردوں کی ایک بڑی جماعت دین کی خدمت کر رہی ہے اور دار العلوم دیوبند اس وقت ہندوستان میں اسلامی تعلیم کا سب سے بڑا مرکز ہے۔ بعض ہمعصر علماء کو ان کے ساتھ اختلافات تھے اور ایسے ہی لوگوں نے محض لفظوں کے گرفت پر تکفیر وغیرہ کی ہے وہ قابل اعتبار نہیں۔ واللہ اعلم

(برأۃ الابرار عن مکائد الاشرار: ص409)

مندرجہ بالا تحریر کی تصدیق مولانا سید برکت علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد و خلیفہ، حضرت مولانا مفتی عمیم الاحسان نے ان الفاظ میں فرمائی ہے:

"لاریب ان الاجوبۃ کلھا صحیحہ السیّد محمد عمیم الاحسان الذیدی المجددی البرکتی عفی عنہ"

(برأۃ الابرار: ص410)

اس تحریر پر مولانا ابو یحیٰ محمد عبد الرؤف جسدی برکتی کی بھی تصدیق موجود ہے۔ "برکتی" سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی مولانا سید برکت علی کے مرید و خلیفہ تھے۔

اب مولانا امین القادری صاحب خود سوچیں کہ اکابر علماء دیوبند اگر واقعی نبی پاک ﷺ کو گالیاں دینے والے غنڈے ہوتے (معاذ اللہ) تو مولانا سید برکت علی کے خلفاء علماء دیوبند کو مسلمان، اہلسنت والجماعت، حنفی المذہب،

اسلام کی خدمت کرنے والے، احادیث کی اشاعت کرنے والے کیوں قرار دیتے؟

نمبر ۳: مولانا سید برکت علی کے داماد و خلیفہ مفتی عمیم الاحسان صاحب اپنے وقت کے زبردست محقق عالم و مفتی تھے، دس سال کی عمر میں مولانا سید برکت علی سے بیعت ہوئے اور ابتدائی تعلیم آپ ہی کے پاس رہ کر حاصل کیں۔ مولانا سید برکت علی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد مفتی صاحب خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی پہنچے، وہاں مولانا ابو السعد احمد خان کے ہاتھ پر تجدید بیعت کی اور خلافت و اجازت سے نوازے گئے، اسی طرح مولانا سید برکت علی کے فرزند حضرت مولانا سید عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ بھی خانقاہ سراجیہ پہنچے اور مولانا ابو السعد احمد خان سے بیعت ہو کر اجازت و خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ مولانا ابو السعد احمد خان کا علماء دیوبند سے بڑا گہرا تعلق تھا آپ کا فاضل دیوبند حضرت مولانا عبد اللہ لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کو سجادہ نشین مقرر کرنا اسکی واضح دلیل ہے، چنانچہ مولانا ابو السعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت تحریر فرمائی کہ:

> "فقیر اپنا خلیفہ، مجاز اور سجادہ نشین مولوی عبد اللہ صاحب لدھیانوی کو مقرر کرتا ہے جن کو فقیر نے پوری توجہ اور دلسوزی سے نقشبندی سلوک طے کرا دیا ہے۔ وہ اس خانقاہ میں جس کا نام خانقاہ سراجیہ مجددیہ ہے، مقیم رہ کر ترویج سلسلہ میں ساعی رہیں گے۔ ان کی موجودگی میں کوئی دوسرا شخص خانقاہ ہذا میں سجادہ نشینی کا مدعی نہیں ہو سکتا اور نہ اس کا دعویٰ مسموع ہو گا۔.... فقیر کی وفات کے بعد تجہیز و تکفین اور غسل و دفن میں سنت نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی رعایت لازم سمجھیں۔ نماز جنازہ جماعت کثیر کے ساتھ مولوی محمد عبد اللہ کی اقتداء میں ادا کی جائے"۔

(تاریخ و تذکرہ خانقاہ سراجیہ: ص 141-142)

مولانا ابو السعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ اکابر دیوبند سے کتنا گہرا تعلق رکھتے تھے، اس کا اندازہ اس حوالے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جب علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی "تفسیر عثمانی" شائع ہو کر منظر عام پر آئی تو حضرت مولانا ابو السعد احمد خان رحمۃ اللہ علیہ نے بعد از مطالعہ حضرت عثمانی کی خدمت میں ایک مکتوب تحریر فرمایا، جس میں لکھا:

> "آپ نے یہ تفسیر لکھ کر اہل اسلام پر ایک احسان عظیم فرمایا ہے۔ میں تہجد کی نماز پڑھ کر روزآنہ آپ کی درازی عمر کی دعا کرتا ہوں کہ علمی فیضان آپ کی ذات سے برابر جاری رہے"۔

(تحفہ سعدیہ: ص 114)

نیز مولاناسید برکت علی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند حضرت مولاناسید عبد السلام کے خلیفہ، حضرت مولاناشاہ محمد یونس مجددی لکھتے ہیں کہ:

"ایک دفعہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب علیہ الرحمہ (کشمیری) میانوالی کسی اسلامی جلسہ میں تشریف لے گئے تھے، اور واپسی میں خانقاہ شریف (خانقاہ سراجیہ) کندیاں میں چند روز کے لئے مہمان ہوئے تو ان کا دل کتب خانہ کو دیکھ کر باغ باغ ہوگیا، اور ایک کتاب نوادر الاصول حکیم ترمذی کو دیکھ کر فرمایا کہ اس کتاب کو دیکھنے کی مجھے مدت سے آرزو تھی مگر کہیں دستیاب نہ ہوسکی۔ پھر عاریۃً اس کو اپنے مطالعہ کے لئے دیوبند لے گئے"

(سبل السلام: ص10)

یہاں یہ بھی واضح کرتا چلوں کہ اس اقتباس میں شاہ محمد یونس نقشبندی مجددی نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے نام کے ساتھ کلمۂ ترحم بھی لکھا جبکہ بریلوی جماعت کے فقیہ الہند وشارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی لکھتے ہیں کہ:

"کسی کو "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لکھنے والا اسے ولی نہیں تو کم از کم مسلمان جانتا ہے"

(فتاویٰ شارح بخاری: جلد سوم، ص554)

ان حوالہ جات سے معلوم ہوا کہ مولانا ابو السعد احمد خان نظریاتی وفکری اعتبار سے اکابر اہل السنۃ دیوبند سے متفق تھے اور یہی وجہ ہے کہ آپ کی خانقاہ کے متعلق بریلوی جماعت کے مناظر اعظم علامہ حسن علی رضوی لکھتے ہیں کہ:

"خانقاہ سراجیہ کندیاں، یہ خانقاہ آج کل بلکہ کافی عرصہ سے دیوبندیت وہابیت کا گڑھ اور مرکز ہے"

(محاسبہِ دیوبندیت: جلد اول، ص428)

یہ خانقاہ آج کل یا کافی عرصہ سے نہیں، بلکہ بنیاد ہی سے دیوبندیت کا مرکز ہے۔ بہر حال ہمارا مدعا فقط یہ ہے کہ مولاناسید برکت علی رحمۃ اللہ کے داماد و خلیفہ مفتی عمیم الاحسان رحمۃ اللہ علیہ اور مولاناسید برکت علی کے فرزند مولاناسید عبد السلام رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسی خانقاہ اور ایسے شیخ سے منسلک ہوئے جن کا نظریاتی وفکری تعلق

براہ راست اہل السنت دیوبندی مکتبۂ فکر سے تھا۔

اب مولانا امین القادری صاحب اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر سوچیں کہ اگر اکابر علماء دیوبند نے واقعی آقائے نامدار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو گالیاں دی ہوتیں (معاذ اللہ) تو کیا یہ بزرگان دین علماء دیوبند سے وابستہ مشائخ سے منسلک ہوتے؟

نمبر ۴: امام الموحدین حضرت مولانا شاہ حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے اور کٹر دیوبندی تھے، بریلوی اکابرین کے ساتھ آپ کے مناظروں کا تذکرہ بریلوی کتب میں درج ہے۔ آپ مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے دادا پیر حضرت خواجہ عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ تھے، اس لحاظ سے حضرت مولانا سید برکت علی نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پیر بھائی ہوئے۔

خواجہ عثمانی دامانی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ سے بے پناہ محبت تھی، چنانچہ آپ کے مجموعۂ مکاتیب میں مولانا حسین علی کے نام درج مکتوبات کے مطالعہ سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے، ایک مکتوب یہاں نقل کرتا ہوں ملاحظہ فرمائیں:۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی:

فضیلت پناہ حقائق و معارف آگاہ مولوی حسین علی صاحب سلمہ اللہ تعالی عن جمیع الحوادث والنوائب۔

فقیر حقیر لاشئ عثمان عفی عنہ کی طرف سے بعد تسلیمات مسنونہ و دعوات مشحونہ معلوم ہو کہ یہاں کے حالات حمد کے لائق ہیں۔ فقیر آپ کی سلامتی وعافیت کے لئے دعا کرتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ آپ کو شریعت مطہرہ پر بھی ثابت قدم رکھے، آمین۔ آپ کا مسرت نامہ نیک ساعت میں موصول ہوا، خیریت سے آگاہی ہوئی، جناب من آپ کا حالت مرض میں فقیر کی دلجوئی کرنا اور فقیر کا بیت اللہ شریف میں آپ کو توجہ دینا دونوں امر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ آپ کو محبت معنوی کا حصول ہے جس کو صوفیوں کی اصطلاح میں رابطے سے تعبیر کرتے ہیں۔ فقراء نے اس رابطہ کو فیوضات وبرکات کے حاصل کرنے کا وسیلہ مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ رسول پاک

صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میں اس محبت کے شعلہ تابندہ کو اور زیادہ بھڑکائے آمین۔ زیادہ والسلام"۔

(تحفہ زاہدیہ، حصہ اول:ص64)

مولانا حسین علی کے لئے مرشد کی طرف سے لکھے گئے القابات پر غور فرمائیں۔"فضیلت پناہ حقائق و معارف آگاہ"......

مرشد عثمان دامانی رحمۃ اللہ علیہ کو مولانا حسین علی صاحب سے محبت بھی تھی اور مکمل اعتماد بھی تھا،یہی وجہ تھی کہ مرشد نے اپنے فرزند وجانشین حضرت خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم وتربیت کی زمہ داری مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ کے سپرد فرمائی۔(تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں، تاریخ و تذکرہ خانقاہ احمدیہ سعیدیہ موسیٰ زئی شریف از نذیر رانجھا صاحب)

خواجہ عثمان دامانی کے وصال کے بعد مولانا سید برکت علی اور مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ سراج الدین کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس لحاظ سے خواجہ سراج الدین رحمۃ اللہ علیہ مولانا حسین علی کے شاگرد بھی تھے اور پیر و مرشد بھی۔

حضرت خواجہ سراج الدین کے ایک اور خلیفہ حضرت مولانا قاضی غلام گیلانی رحمۃ اللہ علیہ تھے،جو مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی کے عقیدت مند تھے اور فاضل بریلوی کی عقیدت میں اپنے نام کے ساتھ "الرضوی" بھی لکھتے تھے۔ مگر قاضی صاحب نے اکابر علماء دیوبند کی تکفیر کے سلسلہ میں "حسام الحرمین" کی تائید نہیں فرمائی، علماء دیوبند کو مسلمان مانتے تھے بلکہ اپنے فرزندوں کو تعلیم کے لیے دارالعلوم دیوبند بھیجا۔ علاوہ ازیں، مولانا حسین علی رحمۃ اللہ علیہ جب چھچھ کے دورہ پر جاتے تو شمس آباد میں قاضی غلام گیلانی کے ہاں قیام کرتے۔(احتساب قادیانیت، جلد28،ص4)

مندرجہ بالا تفصیلات سے اندازہ لگائیں کہ مولانا محمد اسحاق مالیگاؤں، مولانا سید برکت علی کلکتوی کے مشائخ علماء دیوبند سے تعلقات کتنے وسیع تھے۔ اگر علماء دیوبند واقعی گستاخ رسول اور غنڈے ہوتے تو کیا ان مشائخ کے دل میں علماء دیوبند کے لیے زرا بھی نرمی ہوتی؟؟؟

نمبر۵: موضع چک رجادی ضلع گجرات پنجاب میں 3/4 اپریل 1923ء کو غیر مقلدوں سے مسئلہ تقلید شخصی پر ایک مناظرہ ہوا، اس مناظرے میں شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد، حضرت قائد اہلسنت مولانا قاضی مظہر حسین کے والدِ محترم حضرت مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ بطور مناظر مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاو تلامذہ نے بھی شرکت کی۔

غلام مصطفی رضوی "نوری مشن" مالیگاؤں کے بقول: اس مناظرے کی مختصر روداد مولانا سید برکت علی نقشبندی کلکتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔ (ملاحظہ ہوں، مشائخ نقشبندیہ حیات وافکار: صفحہ 107)

اب اس روداد میں دیوبندی علماء کرام کا ذکر خیر اور علمی کارنامہ ملاحظہ ہو۔ مذکورہ روداد مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کی ہے۔ لکھتے ہیں:

"موضع چک رجادی ضلع گجرات پنجاب میں ۳،۴ اپریل ۱۹۲۳ء کو غیر مقلدین کا ایک جلسہ قرار پایا جس میں احناف کو مسئلہ تقلید شخصی پر مناظرہ کا چیلنج دیا گیا۔ غیر مقلدین کی اس دعوتِ مباحثہ کو احناف نے قبول کیا اور جناب مولانا محمود صاحب گنجوی نے منظوری مباحثہ کی اطلاع منتظمین جلسہ کو بھیج دی (آگے اسی صفحہ پر لکھتے ہیں) حضرات احناف نے مولوی ثناءاللہ صاحب کے مقابلہ کے لیے مولوی صاحب کے پرانے حریف غازی اسلام مولانا مولوی محمد کرم الدین صاحب دبیر رئیس بھیں ضلع جہلم اور مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب امام جامع مسجد گوجرانوالہ کو بلوالیا تھا"۔

(مناظرات ثلثہ، ص۲۳ مرتبہ ابوالفضل مولانا کرم الدین دبیر مطبوعہ مسلم پریس لاہور)

مزید لکھتے ہیں:

علمائے احناف میں سے سلطان الواعظین مولانا محمود گنجوی.... نے نوبت بہ نوبت تردید وہابیہ میں زبردست وعظ کیے۔

(ص، ۳۳)

اسی طرح مولانا دبیر نے یہ بھی لکھا ہے:

"مسئلہ تقلید شخصی کے متعلق مباحثہ کے لیے ادھر سے جناب مولانا مولوی عبدالعزیز صاحب،

مولوی فاضل گوجرانوالہ پیش ہوئے"

(صفحہ ۳۴)

علاوہ ازیں جو جو احناف علماء اس مباحثہ میں مولانا دبیر کے ساتھ گئے تھے ان میں مولانا سلطان احمد، مولانا مولوی غلام رسول (انہی والے) اور مولانا ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کے اسماء درج ہیں۔ یہ سب کے سب علماء اہل سنت دیوبند کے تھے۔ مولانا محمود گنجوی (متوفی ۱۹۲۶ء) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے جنہیں مولانا دبیر علمائے احناف میں شامل کہہ کر "سلطان الواعظین" کا لقب دے رہے ہیں۔ مولانا عبد العزیز گوجرانوالوی (متوفی ۱۹۴۰ء) دار العلوم دیوبند کے فاضل اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ بلکہ آپ مولانا حسین علی واں بچھروی کے خلیفہ بھی تھے اور ایک مدت تک شیر انوالہ مسجد گوجرانوالہ میں خطیب اور مدرسہ انوار العلوم کے مہتمم رہے۔ یہ مولانا دبیر کے معاونِ مناظرہ تھے اور مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حاضر جوابی اور تبحر علمی کی گواہی دی ہے اور مولانا عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے کہ

"پبلک نے تاڑ لیا کہ فاضل حنفی کی فاضلانہ بحث نے غیر مقلد مولوی کا ناطقہ بند کر دیا ہے۔"

(صفحہ نمبر ۳۴)

یہاں مولانا دبیر رحمۃ اللہ علیہ نے علماء اہل سنت دیوبند کو علمائے احناف قرار دیا ہے اور ان کی علمی معاونت سے تارکین تقلید سے مناظرے کیے ہیں"۔

(نوٹ: روداد کی تفصیل مولانا عبد الجبار سلفی صاحب مدظلہ کی کتاب "مسلک دبیر" سے ماخوذ ہے)

یہاں مولانا امین القادری صاحب کو پھر دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ ان حوالوں کو بغور دیکھیں اور سوچیں کہ اگر واقعی علماء دیوبند گستاخِ رسول غنڈے اور کافر ہوتے تو کیا یہ بزرگانِ دین ان سے بیعت وخلافت، الفت و محبت کا برتاؤ کرتے۔؟ مولانا کرم الدین دبیر رحمۃ اللہ علیہ علماء دیوبند کی علمی معاونت سے مناظرے کرتے؟ ان کو علماء احناف قرار دے کر ان کی تعریفیں کرتے۔؟ اور کیا مولانا سید برکت علی رحمۃ اللہ علیہ ایسی روئیداد کی اشاعت کرتے جس میں "گستاخِ رسول، غنڈوں اور کافروں" کی تعریفیں کی گئی؟؟؟

نمبر۶: حضرت مولانا محمد اسحاق اور مولانا سید برکت علی کے مشائخ میں ایک بزرگ حضرت شاہ ابو سعید مجددی رحمۃ اللہ علیہ گزرے ہیں، ان کے فرزند حضرت مولانا شاہ عبد الغنی مجددی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ، اُنہی اکابر

علماء دیوبند کے استاد تھے جنہیں مولانا امین القادری صاحب "غنڈے اور کافر" کہہ رہے ہیں۔ نیز دار العلوم دیوبند کے مہتمم اول حضرت مولانا شاہ رفیع الدین دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ شاہ عبد الغنی مجددی رحمہ اللہ کے شاگرد و خلیفہ تھے۔ علاوہ ازیں شاہ ابو سعید مجددی کے والد اور شاہ عبد الغنی مجددی کے دادا حضرت شاہ صفی القدر رحمۃ اللہ علیہ کا جب وصال ہوا تو ان کی تجہیز و تکفین حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید رحمہما اللہ نے کی، چنانچہ خود شاہ عبد الغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:

"ان (حضرت شاہ صفی القدر) کی وفات دوشنبہ ۲۹ شعبان ۱۲۳۶ ہجری کو بلدۂ لکھنو میں ہوئی ان کی تاریخ وفات "فاز رضوان المودود" ہے۔ سید احمد صاحب اور مولوی اسمٰعیل شہید اور دوسرے عزیزوں نے خود ان کی تجہیز و تکفین کی۔ راستے میں کسی نے چھپر (عریش) جلا رکھا تھا ان کی نعش شریف کو آگ کے اوپر سے لے کر گزر گئے کسی کو گزند نہ پہنچی"۔

(مقامات مظہری: ص600 ضمیمہ اول)

یہاں بھی غور فرمایئے کہ شاہ اسماعیل شہید، سید احمد شہید و دیگر علماء دیوبند اگر واقعی گستاخ رسول ہوتے تو یہ مشائخ و بزرگانِ دین، اکابر علماء دیوبند بیعت و خلافت اور تلمذ کے تعلقات رکھتے؟ کیا یہ حقائق چیخ چیخ کر علماء دیوبند کے مسلمان ہونے کی گواہی پیش نہیں کر رہے؟

مخالفین کے ایک شبہ کا ازالہ

اکابر علماء دیوبند کی توثیق پر جب بھی کسی مسلم بزرگ کا حوالہ پیش کیا گیا تو آگے سے جواب ملتا ہے کہ ان بزرگان دین کے سامنے گستاخانہ عبارات پیش نہیں ہوئیں اس لیے انہوں نے ناواقفیت کی بنا پر تعریفیں کر دیں یا تعلقات رکھے۔

جواب: یہ شبہ فضول ہے، ہر گز درست نہیں۔

اولاً: اس لیے کہ خود مولانا احمد رضا خاں فاضل بریلوی ایک سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ:

"سائل صورت وہ فرض کرتا ہے جو واقع نہ ہوگی دیوبندیوں کے عقائدِ کفر طشت از بام ہو گئے منکر بننے والے اپنی جان چھڑانے کے لئے انکار کرتے ہیں کہ ہمیں معلوم نہیں"

(فتاویٰ رضویہ: جلد 21، ص674)

نیز بریلوی حافظ ملت کی املائی کتاب "العذاب الشدید" میں لکھا ہے کہ:

"علماء دیوبند نے اپنی بدعقیدگی کا تحریروں تقریروں میں صاف اعلان کر دیا اس کا لازمی نتیجہ یہی تھا جو ہوا کہ ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے علماء دیوبند پر نفرت ولعنت کی آواز بلند ہونے لگی"

(العذاب الشدید: ص12)

ان دو حوالوں سے ثابت ہوا کہ علماء دیوبند اپنے عقائد و عبارات، تحریروں و تقریروں میں کھل کر بیان کر رہے تھے لہذا ان کے عقائد وعبارات کسی سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔

ثانیاً: یہ شبہ اس لیے بھی درست نہیں کہ بریلوی مناظر اعظم علامہ مفتی اجمل سنبھلی صاحب لکھتے ہیں کہ:

"اِس عقل کے دشمن سے دریافت کرو کیا ناواقفیت میں کوئی کسی کے لئے ایسے الفاظ کہہ سکتا ہے؟ دنیا جانتی ہے کہ کسی کی تعریف واقفیت کے بعد ہی ہوا کرتی ہے"

(رد شہاب ثاقب: ص39)

پس ثابت ہوا کہ ان بزرگوں کی طرف سے علماء دیوبند کی تعریف وتوثیق واقفیت کے بعد ہی ہوئیں۔

ثالثاً: یہ شبہ اس لیے بھی درست نہیں کہ ہم جن بزرگوں کا حوالہ پیش کرتے ہیں ان کی ولایت بریلوی حضرات کو مسلم ہے اور بریلوی حضرات اولیاء کرام کے لیے علم غیب کا عقیدہ رکھتے ہیں؛ تو کیسے ممکن ہے کہ عالمِ غیب سے کسی کی بدعقیدگی چھپی رہ جائے؟

مفتی رب نواز صاحب حفظہ اللہ، احمد پور شرقیہ

حضرت شیخ الہند پر تحریفِ قرآن کا باطل الزام

[یہ مضمون قریباً بارہ سال پرانا ہے جو بندہ کے مسودات میں پڑا رہا ہے۔ مضمون نامکمل تھا، تکمیل کے لئے آخر میں دو صفحات خالی چھوڑے ہوئے ہیں۔ بندہ نے اسے مکمل کرتے ہوئے کچھ حوالہ جات کا اضافہ بھی کیا۔ تکمیل کے بعد اسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ دعاہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نافع بنائے، آمین (رب نواز عفااللہ عنہ)]

علمائے اہلِ سنت دیوبند کثر اللہ سوادھم میں ایک بزرگ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ ہیں جن کی علمی بصیرت، جلالتِ قدر اور ان کے متبع حدیث ہونے کا مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔ غیر مقلدین کے "امام العصر" مولانا محمد اسماعیل سلفی نے ان کے متعلق لکھا:

"حضرت مولانا کی علمی بصیرت مسلم ہے اور ان کی جلالت قدر بھی معلوم ہے۔"

(رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز صفحہ ۶۰)

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری لکھتے ہیں:

"یہاں چوں کہ مولانا محمود الحسن صاحب ؒ کا ذِکر آگیا ہے اس لئے میں ممدوح کی شخصیت کے متعلق چند فقرے عرض کر دوں تو بے جانہ ہو گا: موصوف بڑے پائے کے عالم تھے ہر فن کی تعلیم دیتے تھے مگر حدیث کے ساتھ آپ کو خاص اُنس تھا۔ میرا چشم دید واقعہ بلکہ روز کے واقعات ہیں کہ آپ جس چوکی [کتاب رکھنے کی لکڑی رتپائی (ناقل)] پر حدیث کی کتاب رکھ کر پڑھاتے تھے منطق اور فلسفہ کی کتابیں اس پر نہیں رکھتے تھے بلکہ نیچے رکھتے تھے، یہ واقعہ میں اپنی ساری مدت تعلیم میں دیکھتا رہا بحق حدیث آپ کے حُسنِ عقیدہ کا اظہار ان اشعار میں کروں تو بجاہے، آپ گویا زبانِ حال سے فرماتے تھے ؎

کیا تجھ سے کہوں حدیث کیا ہے۔
دُردانہ دُرجِ مصطفی ہے

صوفی و عالم و حکیم دینی
کرتے رہے اسی کی خوشہ چینی
بابا کے ہاں سے کون لایا
جس نے پایا یہیں سے پایا"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۴۶)

یہ تحریر "حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسری" نامی کتاب صفحہ ۲۲۵ پہ بھی ہے۔
غیر مقلد مصنف فضل الرحمن بن میاں محمد لکھتے ہیں:

"دیوبند مدرسہ کے مدرسِ اعلیٰ شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ تھے۔"

(حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسری صفحہ ۳۶)

مولانا عبد المجید سوہدروی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"آپ ... گرفتار ہوئے اور اسیر مالٹا کہلائے۔ انگریز کی نگاہ میں جرم یہ تھا کہ آپ ٹرکی، ایران اور افغانستان میں اتحاد پیدا کر کے ہندوستان سے انگریزوں کا خروج اور اسلامی حکومت کا قیام چاہتے تھے... آپ ہی ہیں جنہوں نے شیخ الہند کا لقب پایا۔"

(سیرۃ ثنائی صفحہ ۱۲۰)

فضل الرحمن بن محمد (غیر مقلد) نے "تاریخ مسلماناں عالم" کے حوالہ سے لکھا:

"جنگ آزادی کے دس سال بعد مدرسہ دیوبند کی ابتداء مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سرپرستی میں ہوئی جس کا نصب العین انگریز سرکار کی بجائے دین و ملت کی خدمت تھا۔ وقت کے مشہور علماء کرام حضرت مولانا محمد قاسمؒ، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند محمود الحسنؒ، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ نے مدرسہ کے نصب العین کو پانے کے لئے اپنے زندگیاں وقف کر دیں۔"

(حضرت مولانا ثناء اللہ امر تسری صفحہ ۵۲)

یعنی دین و ملت کے لئے زندگی وقف کرنے والوں میں ایک نام حضرت شیخ الہند کا ہے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔
مذکورہ بالا بیانات سے درج ذیل باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

۱۔حضرت شیخ الہند کی علمی بصیرت مسلم ہے۔

۲۔وہ جلالتِ قدر والے تھے۔

۳۔بڑے پایہ کے عالم تھے۔

۴۔حدیث کے ساتھ انہیں خاص انس تھا۔

۵۔حدیث کے متعلق اتنے مؤدب تھے کہ کتب حدیث کے لئے منتخب تپائی پر منطق و فلسفہ کی کتابیں رکھنا تک گوارانہ کرتے تھے۔

۶۔حدیث کے ساتھ ان کی حُسنِ عقیدت کو دیکھ کر مولانا ثناء اللہ امر تسری عش عش کر اُٹھے اور جھوم کر مذکورہ بالا اشعار سے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

۷۔وہ "شیخ الہند" کے منصب پر فائز مانے گئے۔

۸۔وہ انگریزوں کے مخالف تھے جو دینِ اسلام کے دشمن ہیں۔

۹۔وہ مسلمانوں میں اتحاد کے داعی تھے۔

۱۰۔وہ اسلامی حکومت کا نفاذ چاہتے تھے۔اسی تگ ودَو کے سلسلہ میں گرفتار ہوئے اور اسیر مالٹا کہلائے۔

۱۱۔دین وملت کی خدمت کے لئے انہوں نے اپنی زندگی کو وقف کر دیا وغیرہ۔

اور بھی بہت سے غیر مقلدین نے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کو خراج تحسین پیش کیا ہے حوالہ جات بندہ کی کتاب "غیر مقلدین کا علمائے دیوبند کو خراج تحسین" میں منقول ہیں۔یہ کتاب مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ میں قسط وار شائع ہو رہی ہے ایک سو اکیس (۱۲۱) قسطیں شائع ہو گئی ہیں والحمد للہ۔

متعدد غیر مقلدین کے تعصب کا عالم یہ ہے کہ وہ مذکورہ بالا خوبیوں کے مالک، دین وملت کی خدمت میں زندگی وقف کر دینے والے عظیم قائد پر تحریفِ قرآن الزام لگاتے ہیں۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے:

غیر مقلدین کے حلقہ میں "وکیل اہلِ حدیث" کہلوانے والے مولانا محمد حسین بٹالوی نے فقہ حنفی کے خلاف فضاہموار کرنے کی غرض سے ایک اشتہار شائع کیا جو دس سوالات پر مشتمل تھا۔یہ اشتہار دار العلوم دیوبند میں بھی پہنچا۔چوں کہ اساتذہ دار العلوم دیوبند تعمیری کاموں میں دل چسپی رکھتے ہیں۔وہ اس باہمی نزاع کو پسند نہ کرتے تھے اس لئے شروع شروع میں خاموشی اختیار کی۔لیکن جب اس اشتہار کے ذریعہ فضاآلودہ ہونے لگی تو شیخ

الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ نہ چاہنے کے باوجود اس اشتہار میں کئے گئے سوالات کا ”ادلہ کاملہ“ کے عنوان سے جواب لکھا۔ اس کی ابتداء میں تحریر فرمایا:

”جنابِ من! اَب تک ہم بوجہ بے تعصبی خاموش رہے، آپ نے میدان سُبسان پا کر ہاتھ پاؤں ہلانے شروع کئے، اَب آپ کی چھیڑ کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ اشتہار جاری ہونے لگے، اس فتنہ انگیزی پر کوئی کہاں تک چُپ رہے، اس لئے سر دست ہم بھی کچھ عرض کرتے ہیں۔ اس کے بعد بھی اگر آپ ہاتھ پاؤں ہلائیں گے تو پھر ہم بھی ان شاء اللہ ہاتھ دکھائیں گے ورنہ خیر ہم خود اہلِ اسلام کے نزاع فیمابین کو پسند نہیں کرتے۔“

(ادلہ کاملہ صفحہ ۲۱)

ادلہ کاملہ کے جواب کی بٹالوی صاحب کو ہمت نہ ہو سکی اس نے اگرچہ اپنے اخبار ”اشاعۃ السنہ“ میں اس کے جواب لکھنے کا وعدہ کیا مگر وہ اسے پورا نہ کر پائے۔ اپنے عوام کو دلاسہ بھی دینا تھا اس لیے خانہ پوری کرنے کے لیے اپنے فرقہ کے ایک مولوی ”احمد احسن امروہی“ کو تیار کیا گیا۔ اس نے ”مصباح الادلۃ“ کے نام سے جواب دینے کی سعی ناتمام کی۔

غیر مقلد مصنف قادیانی ہوگیا

احمد احسن امروہی غیر مقلدیت کے زینے چڑھتا گیا یہاں تک کہ مرزائیت قبول کر کے ایمان کی پونجی گنوا بیٹھا۔

مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری صاحب لکھتے ہیں:

”اس کی شامت اعمال نے وہی روزِ بد اِس کو دکھایا اور وہ غیر مقلدیت سے ترقی کر کے مرزا قادیانی کے حلقہ درس میں داخل ہو گیا۔ اس طرح ائمہ مجتہدین اور اکابر امت کی شان میں گستاخی اور بد زبانی کی پاداش میں دولت ایمان کھو بیٹھا۔ غلام احمد قادیانی نے اس مخذول کی دولتِ ایمان تو لوٹ لی، مگر اس کو جس طرح ذلیل کیا وہ تماشا بجائے خود لائق عبرت ہے۔ غلام احمد نے اس شخص کے فقر و مسکنت کا اظہار کر کے اس کے لئے ٹکے ٹکے کی خیرات جمع کرنے کا اشتہار دیا جو مرزا کے مجموعہ اشتہارات میں نمبر:۸۷ پر درج ہے جس کے نتیجہ میں بائیس افراد

نے انیس روپے دو آنے کا وعدہ کیا، اور مرزا نے ھل من مزید کے لیے دوبارہ اشتہار جاری کیا۔ حالاں کہ مرزا خود "رئیس قادیان" کہلاتا تھا، وہ چاہتا تو اپنی گرہ سے چالیس پچاس روپے بآسانی بھجوا سکتا تھا، مگر قدرت کو مرزا قادیانی کے ہاتھ محمد احسن امروہی کی ذلت وخفت کا اشتہار دلوانا منظور تھا۔ یہ تھا ائمہ ہدیٰ اور صلحائے امت کے خلاف ہرزہ سرائی کا انجام۔

بس تجربہ کردیم، دریں دیرِ مکافات

با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد"

(پیشِ لفظ: ایضاح الادلہ صفحہ ۳۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

امروہی صاحب کے قادیانی بن جانے کا اعتراف غیر مقلدین کی تحریروں میں بھی ہے مثلاً مولانا داؤد ارشد غیر مقلد لکھتے ہیں:

"ادلہ کاملہ کا جواب مولوی محمد احسن امروہی (جو نواب صدیق حسن خان مرحوم کا ملازم تھا اور بعد میں مرتد ہو کر قادیانی ہو گیا) نے مصباح الادلہ کے نام سے لکھا۔"

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۵)

قوسین کے درمیان والی عبارت بھی مولانا داود ارشد کی ہے اس کی خاطر ہم نے یہ اقتباس نقل کیا ہے۔

مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

"کادیانی اور اس کے اَتباع نے جو مولوی کہلاتے ہیں جیسے حکیم نور الدین بھیروی جمونی اور مولوی محمد احسن امروہی احادیث مسیح ودجال کو ظنی ومحل تاویل بنانے کے لئے جملہ احادیث متعلقہ اعتقاد کو غیر قطعی اور اپنے ظاہری معنی سے مصروف ٹھہرا دیا اور حکم ورتبہ اعتقاد کا کچھ لحاظ نہ کیا۔ کادیانی پر تو چنداں افسوس نہیں کیوں کہ وہ علوم دینیہ سے محض امی واجنبی ہے۔ حکیم نور الدین اور مولوی محمد احسن پر سخت افسوس وتعجب ہے کہ انہوں نے کادیانی کی محبت میں اندھے بہرے ہو کر اپنا تھوڑا بہت پڑھا پڑھایا سبھی بھلا دیا اور اپنی مولویت کو ڈبو دیا اور علم کو خاک میں ملا دیا۔"

(اشاعۃ السنۃ: جلد: ۱۴، نمبر: ۵ صفحہ ۱۱۹ بحوالہ تاریخ ختم نبوۃ صفحہ ۲۶۴، مؤلفہ ابن انیس مولانا

حبیب الرحمن لدھیانوی)

غیر مقلدین کی کتاب میں ایک مناظرہ کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا:

"مرزائیوں نے مولانا محمد احسن امروہی کو بلایا مگر بوجوہات مولوی محمد احسن نے مناظرہ کرنے سے انکار کیا اور ان کی جگہ منشی قاسم علی قادیانی مناظر مقرر ہوئے"

(تذکرۃ المناظرین ۳۳۷/ امرتبہ مولانا محمد مقتدی اثری غیر مقلد)

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے "مصباح الادلہ" کا جواب لکھا جو "ایضاح الادلہ" کے عنوان سے شائع ہوا۔ اسے ایک صدی سے زائد عرصہ گزر گیا ہے مگر غیر مقلدین اَب تک اس کا جواب نہیں لکھ سکے۔ البتہ "ایضاح الادلہ" میں سہو قلم کے نتیجہ میں آیت غلط درج ہوگئی تو اس کے خلاف انہوں نے خوب شور وغل کیا کہ دیوبندی عالم نے قرآن میں تحریف کر دی۔

تحریف کا الزام لگانے میں کیا مقاصد ہیں؟

تحریف تحریف کا واویلا کیوں کیا؟ اس کے کئی مقاصد تھے۔ ان میں سے دو ہم ذِکر کر دیتے ہیں۔

(۱) غیر مقلدین کے اعتراف کے مطابق اُن کے متعدد مصنفین تحریفات کے مرتکب ہیں، پھر مزید افسوس یہ کہ اس گھناؤنے فعل کے مرتکب مولانا ثناء اللہ امرتسری بھی ہوئے جنہیں وہ "شیخ الاسلام" کہا کرتے ہیں اور مولانا داود ارشد غیر مقلد نے تو انہیں "امت مرحومہ کا ہیرو" کہا۔ (تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۷۶)

مولانا عبد الحق غزنوی غیر مقلد نے امرتسری صاحب کی تحریفات اور دیگر غلطیوں کو "الاربعین" نامی کتاب میں جمع کر دیا ہے۔ اس کے شروع میں لکھا:

"تعجب ہے یونیورسٹی کے فاضل کی فضیلت اور لیاقت پر کہ الفاظ غلط، معانی غلط، استدلالات غلط بلکہ تحریفات میں یہودیوں کی بھی ناک کاٹ دی۔"

(الاربعین صفحہ ۳ مشمولہ رسائل اہلِ حدیث جلد اول)

غیر مقلدین کی تحریفات کے کچھ نمونے خود انہی کے اعتراف کے ساتھ بندہ اپنی کتاب "غیر مقلدین قرآن و سنت کی کسوٹی پر" میں نقل کرے گا، ان شاء اللہ۔ رسائل اہلِ حدیث کتاب کا مطالعہ کر کے بھی ان تحریفات کو جان سکتے ہیں۔

اس قسم کے تحریفی کارناموں سے غیر مقلدین کی رسوائی ہو رہی تھی تو انہوں نے ان تحریفات سے لوگوں کی نظریں ہٹانے کے لئے دیوبندیوں پر تحریف کا الزام عائد کر دیا اور بزعمِ خود بطور ثبوت ''ایضاح الادلہ'' کے سہو قلم کو سامنے لے آئے۔ مگر غلط بات تو غلط ہی ہوتی ہے، کبھی تو اس کا غلط ہونا ظاہر ہو ہی جاتا ہے اس لئے غیر مقلدین کا یہ الزام بھی بالآخر غلط ہی ثابت ہوا۔ یہاں تک کہ خود ان کے اپنے مصنفین نے اسے سہو قلم کہہ کر تسلیم کر لیا کہ اسے تحریف کہنا غلط ہے جیسا کہ آگے باحوالہ مذکور ہو گا ان شاء اللہ۔

(۲) تحریف کا الزام لگانے سے غیر مقلدین کا دوسرا مقصد حضرت مولانا عبد القدوس خاں قارن دام ظلہ کی زبانی سنئے۔ قارن صاحب لکھتے ہیں:

> ''غیر مقلدین حضرت شیخ الہندؒ کے خلاف تحریف قرآن کا بے کار غوغا کر کے دراَصل اپنی خفت مٹانے اور اصل مسئلہ سے توجہ ہٹانے کی ناکام کوشش کرتے ہیں... حضرت شیخ الہند نے علمی انداز میں اپنے مسلک کا دفاع اور غیر مقلدین پر جو اعتراضات کئے اس سے آج تک غیر مقلدین مبہوت ہیں اور اپنی خفت مٹانے کے لئے انہوں نے کتاب میں درج آیت کی غلطی پر غوغا شروع کر دیا اور اَب تک کر رہے ہیں۔''

(انکشافِ حقیقت صفحہ ۵۵،۵۶)

اس کے بعد قارن صاحب نے ''''غیر مقلدین غیرت کا مظاہرہ کریں''کا عنوان قائم کر کے لکھا:

> ''ہماری غیر مقلدین سے گذارش ہے کہ ''ایضاح الادلہ''میں درج شدہ آیت کی غلطی کتابت کی تھی یا مصنف کا ذہول تھا جب اس کی اصلاح کر لی گئی ہے تو اَب بے کار غوغا چھوڑ کر غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سو سال سے زائد عرصہ کا جو تمہارے کندھوں پر اُدھار ہے اس کو اُتاریں اور مردِ میدان بنتے ہوئے دلائل کے ساتھ حضرت شیخ الہند کے اعتراضات کا جواب دیں۔''

(انکشافِ حقیقت صفحہ ۵۶)

تحریف قرار دینے کا شاخسانہ اور اس کا جواب

قرآن مجید کی آیت ہے: یایھا الذین آمنوا اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔ (سورۃ نساء، آیت:۵۹)

مگر ایضاح الادلہ میں آیت سہواًغلط درج ہوگئی جس پر غیر مقلدین نے تحریف، تحریف کا شور مچایا۔ مولانا آزاد رحمانی اور مولانا محمد جونا گڑھی سے لے کر شیخ زبیر علی زئی اور شاہد نذیر تک کئی غیر مقلدین نے اسے تحریف کا عنوان دیا ہے۔

شاہد نذیر غیر مقلد (کراچی) نے لکھا:

"محمود الحسن دیوبندی کی تحریف قرآن کوئی غلطی یا سہو نہیں تھا بلکہ تقلید کو سند جواز عطاء کرنے کے لئے یہ ان کا سوچا سمجھا کارنامہ تھا۔"

(ماہ نامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۸۰)

الجواب:

(۱) یہ تحریف نہیں، سہو قلم ہے جیسا کہ ذیل میں باحوالہ مذکور ہے۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد لکھتے ہیں:

"سیدھے ہاتھوں یہ اعتراف کیوں نہیں کر لیا جاتا کہ یہ حضرت شیخ الہند سے چوک ہوئی۔ اپنے مدمقابل کے جواب میں جو آیت انہوں نے لکھی وہ قرآن پاک میں کہیں نہیں۔ اللہ بھلا کرے سعید احمد پالن پوری صاحب کا کہ انہوں نے بالآخر تسہیل الادلہ کاملہ کے پیش لفظ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا کہ: یہ سبقت قلم ہے، جس آیت کا حضرتؒ نے حوالہ دیا ہے اس سے مراد یہ آیت ہے: ﴿یا یھاالذین امنوا اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم ...﴾ الغرض یہ افسوس ناک غلطی ہے..." (تسہیل الادلہ کاملہ: ص۱۹،۱۸) مولانا تقی عثمانی صاحب نے بھی اپنے ایک خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ فی الواقع یہ خطا مولانا محمود الحسن سے ہوئی اور یہ سبقتِ قلم کا نتیجہ ہے۔ ملاحظہ ہو "الردود" مؤلفہ بکر بن عبداللہ ابو زید کا حاشیہ ص:۲۴۲... بہر حال جس آیت کو انہوں نے قرآن پاک کی آیت قرار دیا وہ بہر نوع غلط

ہے۔ آیات کے لکھنے میں کسی لفظ کا رہ جانا یا کسی لفظ کو دوسری آیت کے اشتباہ میں لکھ دینا بعید نہیں۔ ایسا اشتباہ ہو جاتا ہے۔ طباعت قرآن میں بھی ایسا ہوتا رہا ہے بلکہ ہوتا ہے۔"

(تنقیح الکلام صفحہ ۲۳۶،۲۳۷)

اثری صاحب نے اس غلطی کو چوک کہا اور دیگر علماء کرام سے نقل کیا کہ یہ سہو ہے۔ بہر حال اسے چُوک کا نام دو یا سہو کہو۔ تحریف ہر گز نہیں۔

مولانا عمر فاروق قدوسی غیر مقلد نے دیوبندیوں کے متعلق لکھا:

"انہوں نے طویل عرصے تک اس غلطی کو درست نہ کیا بلکہ اس غلطی پر مصر رہے جو شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن سے ہوئی تھی... مولانا موصوف سے تو سہواً ایسا ہو گیا۔"

(اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۸۵)

قدوسی صاحب کی اس عبارت میں واضح اعتراف ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ سے سہواً غلط لکھا گیا۔ قدوسی صاحب نے اپنی کتاب "اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں" کے عرصہ بعد بھی حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے سہو کو تحریف کہنے کی ہمت نہیں کر پائے بلکہ اس کے برعکس ان کے متعلق یوں لکھا:

"احترام اور توقیر کے مستحق ہیں۔"

(ماہنامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۵۳۷)

قدوسی صاحب کی کتاب "اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں" شاہد نذیر کے ممدوح شیخ زبیر علی زئی کے مطالعہ اور اصلاح کے بعد شائع ہوئی، حوالہ آگے آرہا ہے ان شاء اللہ۔

(۲) تقلید کے لئے محل استشہاد لفظ "اولی الامر" ہے اور یہ لفظ قرآن مجید میں دو جگہ مذکور ہے اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے پہلے متعدد علماء اس "اولی الامر" سے تقلید کا اثبات کر چکے۔ مثلاً امام رازی رحمہ اللہ نے "اولی الامر" والی آیت کی تفسیر میں لکھا:

"ان العامی یجب علیه تقلید العلماء فی احکام الحوادث۔"

(تفسیر کبیر: ۳/ ۲۷۲)

ترجمہ: عامی شخص پر پیش آمدہ مسائل واحکام پر علماء کی تقلید واجب ہے۔

مزید یہ کہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون کو بھی علمائے امت نے تقلید کے اثبات میں پیش کیا بلکہ اہلِ حدیث کہلائے جانے والے متعدد مصنفین نے اس آیت کو تقلید کی دلیل تسلم کیا ہے۔ مثلا:

میاں نذیر حسین دہلوی نے اس آیت کے متعلق لکھا:

"یہی آیت دلیل ہے وجوب تقلید پر۔"

(معیار الحق صفحہ ۶۷)

میاں صاحب کے علاوہ بھی کئی غیر مقلدین نے اس آیت سے تقلید کے اثبات کو مانا ہے۔ ایک دَور تھا کہ مدعیان اہلِ حدیث مطلق تقلید کے قائل تھے۔ مطلق تقلید کے اثبات میں جن دلائل کو پیش کیا کرتے تھے اُن میں ایک آیت فاسئلوا الخ بھی ہے۔ تفصیل و حوالہ جات کے لئے بندہ کی کتاب "زبیر علی زئی کا تعاقب" کا مطالعہ کیجئے۔ اس میں مدعیان اہلِ حدیث کی زبانی تقلید کے اثبات میں بہت سے حوالہ جات منقول ہیں اُن میں قرآن سے استدلال کرنا بھی ہے۔ مزید یہ کہ اس کتاب میں غیر مقلدین کی کتابوں سے تقلید کے وجوب پر دس عبارتیں باحوالہ منقول ہیں۔

جب خود غیر مقلدین کو بھی اعتراف ہے کہ قرآن میں تقلید کے اثبات میں آیت موجود ہے تو شاہد نذیر وغیرہ متعصبین کا یوں الزام لگانا غلط ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کو تقلید کے اثبات میں کوئی آیت نہیں ملی، اس لئے اَز خود آیت گھڑ لی۔

(۳) کسی نے سوال کیا:

"جس خاندان میں حضرت محمد صاحب پیدا ہوئے ہیں ان سے قبل اس خاندان میں کوئی اور نبی پیدا ہوا تھا؟"

غیر مقلدین کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امر تسری نے اس سوال کا یوں جواب دیا:

"اس خاندان کے جد امجد حضرت اسمٰعیل نبی تھے۔ قرآن مجید میں مذکور ہے واذکر فی الکتاب اسمٰعیل انہ کان صدیقا نبیا یعنی اسمٰعیل بڑا راست باز تھا۔"

(فتاویٰ ثنائیہ: ۱/۲۷۶، ۲۷۵)

امر تسری صاحب کو ”اس خاندان میں کوئی اور نبی پیدا ہوا تھا؟“ کے جواب میں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا نبی ہونا باور کرانا تھا اس لئے آیت کے آخر میں ”انه کان صدیقا نبیا“ لکھ دیا۔ حالاں کہ قرآن میں اس طرح آیت ”واذکر فی الکتاب اسمٰعیل انه کان صدیقا نبیا“ ہر گز نہیں۔ غیر مقلدین میں اگر کچھ افراد انصاف والے ہوں تو ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ امر تسری صاحب نے آیت کے آخر میں ”انه کان صدیقا نبیا“ الفاظ جوڑ دیئے، پھر ان کے استدلال کا مدار بھی یہی الفاظ ہیں۔ پھر ان الفاظ کا ترجمہ بھی کر دیا۔ تو کیا یہاں تسلیم کروگے کہ یہ سہو نہیں، بلکہ تحریف ہے۔ کیوں کہ امر تسری صاحب کے استدلال کا مدار ہی انہی اضافہ شدہ الفاظ سے ہے کہ وہ سیدنا اسماعیل علیہ السلام کو نبی باور کرانا چاہتے ہیں، مزید یہ کہ انہوں نے آیت میں اضافہ کئے ہوئے الفاظ کا ترجمہ بھی کر چھوڑا!!!

اب کوئی ایسا پیمانہ بتائیں کہ آیت میں اضافہ شدہ الفاظ سے امر تسری صاحب استدلال کریں تو وہ ”شیخ الاسلام“ کہلوائیں اور اگر کسی اور سے ایسی غلطی ہو جائے تو اسے محرف قرآن کہا جائے۔ جب کہ ایک نمایاں فرق یہ ہے کہ غیر مقلد علماء کی گواہیوں کے مطابق تحریف قرآن امر تسری صاحب کا مشغلہ بھی رہا ہے۔ ان کی تحریفات کو جن کتابوں میں بیان کیا گیا اُن میں ایک کتاب ”الاربعین“ ہے جو رسال اہلِ حدیث میں شامل ہے۔

عامر عثمانی کون؟

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سہو قلم پر بحث کرتے ہوئے بعض غیر مقلدین نے عامر عثمانی کی عبارت ماہ نامہ تجلی سے نقل کر کے کہا کہ انہوں نے اس غلطی کو کاتب کی غلطی ماننے سے انکار کیا ہے۔ ساتھ ہی یہ دعویٰ بھی کر دیا کہ وہ دیوبندی ہیں۔ یہ بات لکھنے والوں میں ایک لکھاری شاہد نذیر غیر مقلد ہیں۔

(ماہ نامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۸۰)

اس کے جواب میں پہلی بات یہ ہے کہ اگر کاتب کی غلطی نہیں تو اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ سہو قلم بھی نہیں؟ خود عامر عثمانی نے اسے چُوک کہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

”کسی کو نظر نہ آیا کہ حضرت شیخ سے کیا چُوک ہو گئی۔“

(تجلی دیوبند، نومبر ۱۹۶۲ء بحوالہ توضیح الکلام صفحہ ۲۴۱، مؤلفہ شیخ ارشاد الحق اثری غیر مقلد)

دوسری بات یہ ہے کہ عامر عثمانی کس نظریے کے ہیں؟ یہ وہ خود ان کی زبانی سینے چنانچہ انہوں نے لکھا:

"جماعتِ اسلامی کے نقطۂ نظر اور طریقہ کار سے ہمیں کامل اور مکمل اتفاق ہے۔"

(تبلیغی جماعت کا جائزہ صفحہ ۲۸۶، اَز اِفادات عامر عثمانی)

یعنی عامر عثمانی صاحب بہ اعتراف خود مودودی نظریہ کے ہیں۔ ان کی کچھ مزید عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

عامر عثمانی صاحب "مرقع یوسفی" پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"مولانا مودودی پر الزامات و اعتراضات کے تیروں کی بارش تو ہمیشہ سے ہوتی ہی آئی ہے مگر آج کل خاص نشانہ ہے ان کی کتاب "خلافت وملوکیت"۔ کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے صحابہؓ کی توہین کی ہے۔"

(تبلیغی جماعت کا جائزہ صفحہ ۲۴)

عامر عثمانی صاحب نے مودودی صاحب کی کتاب "خلافت وملوکیت" پر اعتراضات کو مدلل تنقید کہنے کی بجائے تیروں کی بارش کہہ رہے ہیں۔

بلکہ ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کے دفاع میں عامر عثمانی نے دعویٰ کیا کہ صحابہ کرام کے متعلق حضرت حسین احمد مدنی رحمہ اللہ اور ابو الاعلیٰ مودودی کے نظریات ایک جیسے ہیں۔ حافظ محمد یوسف غیر مقلد (مدرس دار الحدیث جامع اہلِ حدیث دھرم پورہ لاہور) نے اس کی تردید کی۔ پھر لکھا:

"یہ ہیں مولانا حسین احمد مدنی کے نظریات، اس کے بالمقابل مولانا مودوی کے اس بارے میں نظریات کی مختصر توضیح ہم حاشیہ میں کرتے آئے ہیں۔ ان دونوں نظریات کا موازنہ کیجئے اور دیکھئے کہ کیا کسی مقام پر دونوں میں ادنیٰ سا بھی توافق پایا جاتا ہے؟ لیکن عامر صاحب، امانت و دیانت کے تمام تقاضوں کو پامال کرتے ہوئے کمال ڈھٹائی سے فرما رہے ہیں کہ: ان کے یہاں بھی صراحۃً و کنایۃً وہی سب ملے گا جس کو مولانا مودوی نے اپنے الفاظ میں پیش کیا ہے۔" غلط بیانی اور دھاندلی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔"

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۱۴؍ جولائی ۱۹۶۷ء صفحہ ۵)

تحریف کا الزام لگانے میں غلط بیانیوں کا ارتکاب

قارئین کرام! آپ پچھلے صفحات میں غیر مقلدین کا اعتراف پڑھ چکے کہ آیت کا غلط لکھا جانا سہوِ قلم ہے۔ یعنی مصنف سے انجانے میں آیت اس طرح درج ہوگئی۔ لیکن اس حقیقت کے برخلاف کئی غیر مقلدین نے اسے تحریف کا نام دیا اور اسے تحریف قرار دینے میں اس قدر مست ہوئے کہ کئی غلط باتیں بھی لکھ دیں مثلاً:

۱۔ ابوصہیب مولانا داود ارشد غیر مقلد نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

”انہوں نے معروف سلفی عالم حضرت مولانا ابوسعید محمد حسین بٹالوی مرحوم کے ایک اشتہار کا جواب ”ادلہ کاملہ“ کے عنوان سے لکھا جس میں انہوں نے ایک سطر عربی عبارت اپنی طرف سے بنا کر اسے قرآن کریم کی آیت باور کرا کر تقلید کا وجوب ثابت کیا۔“

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۵)

حالاں کہ ”ادلہ کاملہ“ میں اس قسم کی کوئی بات نہیں۔ یقین نہ آئے تو اسے اول تا آخر پڑھ کر دیکھ لو۔ جو سہو قلم ہوا وہ ”ایضاح الادلہ“ میں ہے، نہ کہ ”ادلہ کاملہ“ میں۔ ادلہ کاملہ کی طرف مذکورہ بات کی نسبت غلط ہے۔

۲۔ داود ارشد صاحب مزید لکھتے ہیں:

”ادلہ کاملہ کا جواب مولوی محمد احسن امروہی مصباح الادلہ کے نام سے لکھا جس میں امروہی نے حضرت شیخ الہند پر گرفت کی مگر مولوی محمود حسن خان نے توبہ اور شرمندگی و اصلاح کی بجائے بڑے جزم وثوق سے لکھا...“

(تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۵)

جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے آیت کا سہو ”ادلہ کاملہ“ میں ہوا ہی نہیں تو احسن امروہی قادیانی سابق اہلِ حدیث نے گرفت کیسے کرلی؟ امروہی نے جس کتاب (ادلہ کاملہ) کا جواب لکھا اس میں آیت غلط مکتوب نہیں ہوئی اور جس (ایضاح الادلہ) میں سہوا غلط تحریر ہوگئی امروہی کیا پوری غیر مقلدیت آج تک اس کے جواب سے عاجز ہے۔

یہاں یہ بھی ملحوظ رہے کہ داود ارشد صاحب نے ایضاح الادلہ کی آیت کو محرف قرار دیتے ہوئے بحث کو مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب توضیح الکلام سے نقل کیا۔ دیکھئے تحفہ حنفیہ صفحہ ۳۶ پہ بحوالہ توضیح الکلام درج ہے۔ حالاں کہ مولانا ارشاد الحق اثری مان چکے ہیں کہ یہ تحریف نہیں، سہو ہے۔ ان کی عبارت تنقیح الکلام سے کے حوالہ سے پہلے منقول ہوچکی والحمد للہ۔

۳۔ شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد لکھتے ہیں:

”حبیب اللہ ڈیروی اپنے پسندیدہ مولوی حسین احمد ٹانڈوی مدنی کی ایضاح الادلہ میں ایک جعلی ”آیت“ کے بارے میں لکھتا ہے: اَب غیر مقلدین حضرات نے ایک آیت جو کاتب کی غلطی سے لکھی گئی تھی اس کو اُچھالا۔“

(تقریظ: قرآن وحدیث میں تحریف صفحہ ۱۵)

حالاں کہ اہل مطالعہ جانتے ہیں کہ ایضاح الادلہ کتاب حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کی ہے، نہ کہ مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کی۔ علی زئی صاحب کا ایضاح الادلہ کو حضرت مدنی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کرنا غلط ہے۔

۴۔ زبیر علی زئی غیر مقلد نے لکھا:

”آخر میں مختصراً عرض ہے کہ ”قرآن و حدیث میں تحریف“ میں آلِ تقلید کی دانستہ تحریفات ہی کو درج کیا گیا ہے۔“

(تقریظ: قرآن وحدیث میں تحریف صفحہ ۱۶)

یہ دعوی بلا دلیل ہے۔ آپ نے تو ایضاح الادلہ کے سہو کو بھی تحریف کا نام دیا حالاں کہ خود آپ کے ہی علماء مولانا ارشاد الحق اثری اور مولانا عمر فاروق قدوسی غیر مقلد نے اسے سہو تسلیم کیا ہے جیسا کہ پیچھے باحوالہ گزر چکا والحمد للہ۔

علی زئی صاحب لکھتے ہیں:

”تحریر لکھتے وقت مصنف سے بعض اوقات سہواً غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔“

(علمی مقالات: ۵۴۸/۳)

علی زئی نے لکھا:

”یاد رہے کہ قرآن کا تلاوت میں بھول جانا، نادانستہ زبان و قلم سے کسی خلافِ واقعہ یا غلط بات کا وقوع، بھول چوک، کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیاں جھوٹ کے زمرہ میں نہیں آتیں بلکہ جھوٹ اسے کہتے ہیں جو جان بوجھ کر، کسی مقصد کے لئے خلافِ واقعہ و خلافِ حقیقت بولا جائے۔“

(قرآن وحدیث میں تحریف صفحہ ۱۰)

علی زئی صاحب کی مذکورہ عبارت "ماہ نامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۳۷۶" پہ بھی منقول ہے۔

عرض ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے بھی سہواً غلطی ہوئی جیساکہ اثری صاحب اور قدوسی صاحب نے تسلیم کیا۔

مولانا یحیی گوندلوی غیر مقلد نے قدوسی صاحب کی اس تحریر کی بابت اپنے خط میں لکھا:

"آپ اس نقد پر پوری جماعت کی طرف سے مبارک باد کے مستحق ہیں۔"

(اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۳، طبع: ادارہ ترجمان السنۃ، سن اشاعت: دسمبر ۲۰۱۰ء)

اور یہ بھی یاد رہے کہ مولانا عمر فاروق قدوسی غیر مقلد کی کتاب "اہلِ حدیث پر مزید کرم فرمائیاں" شیخ زبیر علی زئی غیر مقلد کے مطالعہ اور اصلاح کے بعد شائع ہوئی، جیساکہ خود قدوسی صاحب نے لکھا:

"میں نے سوچا کہ کسی صاحب علم کی نظر سے اگر یہ تحریر گزر جائے تو بہتر ہے تاکہ میری کم علمی کے سبب کوئی کمی کوتاہی نہ رہ جائے۔ میں نے اس سلسلہ میں حافظ زبیر علی زئی مرحوم سے رابطہ کیا تو انہوں نے بلا تامل اثبات میں جواب دیا اور فرمایا مجھے اپنی تحریر بھیج دو۔ میں ضرور اسے دیکھ لیتا ہوں، چنانچہ انہوں نے بے پناہ مصروفیات میں سے وقت نکال کر میری اس کتاب کا مطالعہ کیا اور بعض مقامات پر اصلاح بھی فرمائی۔"

(ماہ نامہ اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد حافظ زبیر علی زئی صفحہ ۵۳۷)

قدوسی صاحب نے اس کا اظہار اپنی اسی کتاب کے شروع میں بھی کیا:

"حضرت مولانا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ نے اپنی مصروفیت سے وقت نکال کر اس طالب علم کی تحریر پڑھی۔ اگرچہ انہیں میرے اسلوب سے قدرے اختلاف تھا ان کی نوازش کہ اسلوب کی تبدیلی پر زور دیئے بغیر کتاب کو ایک نظر دیکھا اور علمی رہنمائی فرمائی۔"

(حرفِ آغاز: اہلِ حدیث پر مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۸)

مزید یہ کہ علی زئی صاحب کی طرف سے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے سہو کو دانستہ تحریف کہنے کی بات شیخ ابو جابر عبد اللہ دامانوی کی کتاب پر تقریظ میں ہے جب کہ دامانوی صاحب نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

''موصوف کی نگاہ میں یہ غلطی ہی نہ تھی... اس کے ذہن میں یہ آیت اسی طرح نقش تھی۔''

(قرآن وحدیث میں تحریف صفحہ ۶۹)

تقریظ نگار کا دعوی ہے کہ یہ دانستہ تحریف ہے جب کہ کتاب والا لکھ رہا کہ موصوف کی نگاہ میں یہ غلطی ہی نہ تھی۔

مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے متعلق لکھا:

''یہ ذہن میں نہ آیا کہ جس آیت کو وہ قرآن کا حصہ قرار دے چکے ہیں صحیح طور پر وہ اسی آیت کا حصہ ہے۔ قرآن پاک میں کوئی اور آیت نہیں۔''

(تنقیح الکلام صفحہ ۲۳۷)

سہو بھی تو ایسے ہی ہوتا ہے انسان اپنے ذہن کے مطابق صحیح پڑھ یا لکھ رہا ہوتا ہے جب کہ وہ درحقیقت غلط ہوتا ہے۔ جب حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی نگاہ میں یہ غلطی ہی نہ تھی تو علی زئی صاحب کیسے کہہ رہے ہیں کہ یہ دیدہ ودانستہ تحریف ہے؟

حاصل یہ کہ یہ تحریف نہیں، سہو ہے۔ اس لئے زبیر علی زئی کو ان کا اپنا لکھا ہم یاد دلاتے ہیں:

''بشری سہو وخطا اور کتابت یا کمپوزنگ کی غلطیوں کو تحریف یا جھوٹ کہنا غلط حرکت ہے جس کا جواب... اللہ کی عدالت میں دینا پڑے گا ان شاء اللہ۔''

(تقریظ: قرآن وحدیث میں تحریف صفحہ ۱۶)

۵۔ پروفیسر طالب الرحمن غیر مقلد ''ایضاح الادلۃ'' کے سہو کو تحریف قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علماء دیوبند نے کتاب سے مذکورہ عبارت کو جو واضح تحریف پر مشتمل ہے حذف نہیں کیا اور نہ حاشیہ میں اس پر کسی قسم کا تبصرہ کیا۔''

(الدیوبندیہ صفحہ ۲۶۵)

اس غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ پیچھے مولانا ارشاد الحق اثری کی کتاب "تنقیح الکلام" کے حوالہ سے مذکور ہوا۔ مزید یہ کہ ایچ ایم سعید... اور قدیمی کتب خانہ کراچی کے تصحیح شدہ ایڈیشن ملاحظہ فرما کر تسلی کر سکتے ہیں۔

مولانا ابن الحسن عباسی صاحب رحمہ اللہ نے طالب الرحمن کے جواب میں لکھا:

"یہ کہنا اور تاثر دینا کہ علمائے دیوبند نے کتاب سے مذکورہ عبارت حذف نہیں کی اور اس میں یہ آیت غلط چھپ کر شائع ہو رہی ہے بہت بڑی غلط بیانی ہے... بعد کے ایڈیشنوں میں اس غلطی کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ پھر مذکورہ (ایچ ایم سعید کا) تصحیح شدہ ایڈیشن بھی "الدیوبندیہ" کی تالیف سے کئی سال پہلے شائع ہوا ہے۔"

(کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ صفحہ ۹۰)

فائدہ اور تنبیہ

فائدہ:

غیر مقلدین کی کتاب میں لکھا ہے:

"مولانا محمد حسین بٹالوی کے اس مشہور و معروف اشتہار کی طرف اشارہ ہے جس کے جواب میں مولانا محمود حسن نے "ایضاح الادلہ" تحریر کی۔"

(حاشیہ: اہلِ حدیث پر کچھ مزید کرم فرمائیاں صفحہ ۱۰۵، طبع: ادارہ ترجمان السنۃ)

حالاں کہ بٹالوی صاحب کے اشتہار کا جواب ادلہ کاملہ ہے، نہ کہ ایضاح الادلہ۔ ایضاح الادلہ تو محمد احسن امروہی قادیانی سابق اہلِ حدیث کی کتاب "مصباح الادلہ" کا جواب ہے۔

تنبیہ:

بندہ نے بہت عرصہ پہلے بعض غیر مقلدین کی تحریروں میں پڑھا تھا کہ انہوں نے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ پر تحریف کا الزام لگایا اور پھر کہا جب کہ قرآن میں صحیح آیت اس طرح ہے۔ جس آیت کو انہوں نے صحیح کہہ کر لکھا وہ صحیح نہیں، غلط ہی تھی۔ یاد پڑتا ہے کہ مولانا ارشاد الحق اثری غیر مقلد نے بھی توضیح الکلام طبع اول میں تصحیح کے نام پر آیت غلط لکھ دی تھی۔ اَب چوں کہ میرے پاس توضیح الکلام طبع اول موجود نہیں۔ اس لئے مراجعت نہیں ہو سکی۔ جس کسی کے پاس طبع اول موجود ہو وہ مراجعت کر کے مجھے مطلع فرمائے۔

بھٹی کے قلم سے

کتاب ”مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش“ اور مودودیوں کی خوش فہمی

اس سال رمضان کے آخری عشرے میں ایک ویڈیو کلپ سنا۔ جس میں بولنے والے شخص نے بتایا کہ وفاق المدارس العربیہ نے اس سال سے مولانا ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی کتاب ”مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش“ نصاب میں داخل کی۔ اس شخص نے وفاق کے اس فیصلہ کو خوش آئند کہا مگر کیوں؟ وجہ اس نے خود ہی بیان کر دی کہ اس کتاب میں کہیں کہیں ابو الاعلیٰ مودودی صاحب کا ذِکر خیر ہے۔ ذرا پڑھیئے:

> ”جو کچھ اَسی (۸۰) سال سے سید ابو الاعلی مودودی رحمہ اللہ کے بارے میں علمائے دیوبند نے طوفانِ بد تمیزی کھڑا کیا ہوا تھا، وہ بالکل اس کے الٹ سب کچھ اس کتاب کے اندر لکھا ہوا تھا۔“

اس نے مودودی صاحب پہ کی گئی علمائے کرام کی جان دار اور مدلل تنقید کو طوفان بد تمیزی کا نام دیا۔ اس بھلے مانس سے کوئی پوچھے کہ مودودی صاحب نے کئی مقامات پر انبیاء کرام کی گستاخی کی اور صحابہ کرام کی گستاخیوں پر مشتمل کتاب ”خلافت وملوکیت“ لکھ ماری۔ وہ انبیاء وصحابہ کے خلاف لکھنے کے باوجود تمہارے نزدیک اسلامی ہیرو ہے اور اگر علماء کرام نے انہیں اس بے راہ روی سے روکا تو اس اقدام کو تم طوفان بد تمیزی کا نام دیتے ہو، یہ کیسا انصاف ہے؟

اگر کسی کے خلاف کچھ لکھنا طوفان بد تمیزی ہے تو مودودی صاحب کا انبیاء اور صحابہ کے خلاف لکھنا بطریق اولیٰ طوفان بد تمیزی قرار دیا جانا چاہیے۔

اس بندے نے تسلیم کیا ہے کہ اسی (۸۰) سال سے مودودی صاحب کے خلاف لکھا جاتا آ رہا ہے۔ جس کا مطلب ہے کہ مودودی صاحب کی حیات ہی سے اَب تک ان پر تنقید ہوتی چلی آ رہی ہے۔ خود مودودی صاحب نے تسلیم کیا:

> ”پاکستان سے ہندوستان تک ہر طرف فتووں، پمفلٹوں، اشتہاروں اور مضامین کی ایک فصل اُگ رہی ہے جس میں کمیونسٹ، سوشلسٹ، فرنگیت زدہ ملحدین، قادیانی، منکرین حدیث،

اہلِ حدیث، بریلوی اور دیوبندی سب ہی اپنے شگوفے چھوڑ رہے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ شیطان کی فصل ہے وہی اسے کاٹے گا۔"

(ترجمان القرآن جلد ۳۵عدد ۶،۵... جلد:۳۶عدد ۲،۱بحوالہ صحابہ کرام اور ان پر تنقید؟)

تنبیہ: مودودی صاحب نے یہاں اپنے مخالفین میں شیعوں کا نام نہیں لیا اس کی وجہ بتائی جائے۔

جماعت اسلامی کے دستور میں یہ بات شامل ہے کہ افرادِ امت میں کوئی شخص بھی تنقید سے بالاتر نہیں۔ اس اصول کی بنیاد پر مودودی صاحب نے صحابہ کرام جیسی مقدس شخصیات پر تنقید کے تیر چلائے۔ جب تمہارے دستور کے مطابق کوئی شخص تنقید سے بالا نہیں تو مودودی صاحب پہ کی گئی تنقید کو "طوفانِ بدتمیزی" کا نام کیوں دیتے ہو؟

یہاں یہ سوال بھی بجا ہے کہ جو علماء کرام مودودی صاحب کی جماعت نام نہاد "جماعت اسلامی" کے بڑے بڑے عہدوں پہ فائز تھے۔ انہوں نے جماعت کو خیر باد کہا اور وجہ بھی بیان کی کہ مودودی صاحب اپنی جماعت کا نام "جماعت اسلامی" رکھنے کے باوجود بے راہ روی کا شکار ہیں کیا ان کے بیانات بھی "طوفان بدتمیزی" ہیں؟ جب تک وہ جماعت اسلامی کے مناصب پہ تھے تب تک نفاذ اسلام کے داعی کہلاتے تھے اور جب مودودی صاحب کی بے راہ روی کو آشکارا کر دیا تو "طوفان بدتمیزی" کھڑا کرنے کے مصداق بن گئے؟!

ویڈیو کلپ والے نے مودودی صاحب پہ کی گئی تنقید کو "طوفان بدتمیزی" کہا۔ عامر عثمانی نے اسے تیروں کی بارش کا نام دیا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا:

"مولانا مودودی پر الزامات و اعتراضات کے تیروں کی بارش تو ہمیشہ سے ہوتی ہی آئی ہے مگر آج کل خاص نشانہ ہے ان کی کتاب "خلافت وملوکیت"۔ کہتے ہیں کہ مولانا مودودی نے صحابہؓ کی توہین کی ہے۔"

(تبلیغی جماعت کا جائزہ صفحہ ۲۴)

خود ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے اسے "شیطان کی فصل" کہا جیسا کہ پہلے گزر چکا۔

مگر یاد رہے کہ علماء کرام کی تنقید کو "طوفان بدتمیزی، تیروں کی بارش اور شیطان کی فصل" کہہ کر مودودی صاحب کی بے راہ روی کو چھپایا نہیں جا سکتا۔

ویڈیو کلپ میں مزید کہا گیا:

”بلاشبہ وفاق المدارس العربیہ کے صدر مفتی تقی عثمانی قابل تعریف ہیں جنھوں نے انتہائی اہم قدم اُٹھایا۔ یہ واضح ہو گیا کہ انہوں نے اپنے اکابر کے وہ فتوے جو سید مودودی رحمہ اللہ کے خلاف اُن کے اکابر نے ضال اور مضل اور گستاخی کے فتوے دیئے تھے وہ سارے دریا برد کرنے کا تہیہ کر لیا۔“

مودودی صاحب کے رد میں خود حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دام ظلہ نے ”امیر معاویہ اور تاریخی حقائق“ کتاب لکھی تو وہ بھی دریا برد!!!...؟؟؟

قرآن میں مشرکین کے متعلق ہے:

”اگر ان سے پوچھو کہ آسمان وزمین کو کس نے پیدا کیا تو وہ کہیں گے کہ اللہ نے۔“

تو کیا اس سے مشرکین پہ کی گئی قرآنی تنقید و تردید بھی دریا برد ہو گئی؟

حدیث نبوی ہے:

”اصدق کلمۃ قالھا الشاعر کلمۃ لبید: الا کل شیء ما خلا اللہ باطل۔“

(بخاری: کتاب المناقب، باب ایام الجاھلیۃ)

ترجمہ: سب سے زیادہ سچی بات جو شاعر نے کہی وہ لبید کی بات ہے کہ اللہ کے سوا سب باطل ہے۔

یہ لبید جاہلی شاعر ہے تو کیا اس شعر کی وجہ سے جاہلیت کی تردید پہ مشتمل کلام دریا برد ہو گیا؟

مزید یہ کہ آپ نے حضرت مفتی محمد تقی عثمانی دام ظلہ کی تعریف کی ہے تو کیا اس تعریف کی وجہ سے یہ کہنا درست ہے کہ اُن کے خلاف جس کسی مودودی: غلام علی وغیرہ نے لکھا وہ منسوخ اور دریا برد ہے؟

یہاں یہ سوال بھی بجا ہے کہ کسی بعد والے شخص کے کلام یا فیصلہ سے اکابر متقدمین کی تحریروں کو منسوخ قرار دیا جا سکتا ہے؟

ویڈیو کلپ کا اگلا حصہ سنیں:

”. اپنے اکابر کے وہ من گھڑت، جھوٹے اور تعصب پر مبنی فتوی جات کو دریا برد کرنے کا یہ جو تہیہ کیا ہے۔ ہماری دعائیں مفتی تقی عثمانی صاحب کے ساتھ ہیں۔“

مودودی صاحب صحابہ کرام کے خلاف لکھیں تو اسے بے لاگ تبصرہ باور کرایا جاتا ہے اور جب علماء انہیں اس روش سے روکیں تو ان کی باتوں کو جھوٹ، من گھڑت، تعصب اور قابل دریابرد کہا جاتا ہے!!!

ان کے الفاظ". اپنے اکابر کے من گھڑت، جھوٹے اور تعصب"کو پڑھ کر اندازہ لگائیں کہ مودودی لوگ علماء کے فتووں سے کس قدر پریشان ہیں؟

ویڈیو کلپ کے آخر میں یوں حسرت ظاہر کی:

"مدرسین اس کتاب کو اپنی روح کے مطابق اپنے طالب علموں کو سمجھائیں اور پڑھائیں۔"

جی ان شاء اللہ مگر جہاں مودودی صاحب کا نام آگیا تو مدرس کو اس پہ بے لاگ تبصرے کا حق ہو گا۔

(بشکریہ "مجلہ الفتحیہ احمد پور شرقیہ" اپریل ۲۰۲۴ء)

===

شرائط و ضوابط

مضامین لکھنے والے حضرات چند باتوں کا خیال رکھیں!

1) اہل علم کے ساتھ رائے کا اختلاف آپ کا حق ہے اور یہ حق آپ سے کوئی بھی نہیں چھین سکتا۔ لہٰذا آپ ہزار بار اختلاف رکھیں لیکن کسی کی ذات پہ کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ کریں۔

2) علمی تنقید کریں اور الفاظ کے چناؤ میں مہذب انداز اختیار کریں۔

3) تنقیدی انداز اپنانے کے لئے اگر آپ حضرات درجہ ذیل اکابرین کا انداز اپنائیں تو ان شاء اللہ آپ کی علمی تنقید کسی کی اصلاح کا ذریعہ بھی بن سکتی ہے اور مخاطب سمجھے گا کہ مضمون نگار اللہ کے رضا کیلئے لکھ رہا ہے کسی کی ذات پہ نشتر لگانے کے لیے میدان میں نہیں اترا ہے۔

۱: امام اہل سنت شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

۲: قائد اہل سنت حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب رحمہ اللہ

۳: حجۃ اللہ فی الارض حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

۴: بحر العلوم سلطان المحققین علامہ خالد محمود رحمۃ اللہ علیہ

۵: شہید ختم نبوت حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ

4) مضامین میں احتیاط سے کام لے۔ حتی الوسع کوشش کریں کہ جہاں سے بھی آپ نے استفادہ کیا ہو، ان کا حوالہ ضرور دیں۔ ورنہ ایسی صورت میں آپ کے مضامین مجلہ راہِ ہدایت میں شائع نہیں ہوں گے۔

5) ہمارا مجلہ چونکہ خالص مسلکی ہے اس لیے عقائد و نظریات سے ہٹ کر کوئی صاحب بھی مضمون بھیجنے کی زحمت نہ کریں۔

6) مجلہ راہِ ہدایت میں صرف اہل السنۃ والجماعۃ علماء دیوبند کے مضامین شائع ہوں گے۔

نوجوانانِ احناف طلباءِ دیوبند پشاور

واٹس ایپ رابطہ نمبر: 03428970409